حقوق اشاعت عام ہیں، ہر شخص اس رسالے کو شائع کرسکتا ہے

اجتہاد و تقلید

**محمد جاوید یوسف دیوان**

مضامین

[تمہید 4](#_Toc467832901)

[علوم کی تدوین 4](#_Toc467832902)

[زمانے کے تقاضے 4](#_Toc467832903)

[تدوین صرف و نحو 4](#_Toc467832904)

[تدوین حدیث 5](#_Toc467832905)

[تدوین فقہ 5](#_Toc467832906)

[ایک تاریخی حقیقت 5](#_Toc467832907)

[علم کے درجے 6](#_Toc467832908)

[شرعی احکام کی قسمیں 7](#_Toc467832909)

[اجماع 8](#_Toc467832910)

[قیاس 8](#_Toc467832911)

[قیاس کی مثالیں 10](#_Toc467832912)

[شرعی احکام کی قسمیں اور اجتہاد کے مواقع 11](#_Toc467832913)

[مسائل کا حل کیسے؟ 14](#_Toc467832914)

[رسول اللہ ﷺ کے افعال کی درجہ بندی 15](#_Toc467832915)

[اجتہاد کی مثالیں 16](#_Toc467832916)

[حدیث کی اصل غایت فہم ہے 16](#_Toc467832917)

[مراد حدیث چند مثالیں 17](#_Toc467832918)

[تحقیق حدیث 19](#_Toc467832919)

[حدیث کے بارے میں فقہا اور محدثین میں فرق 19](#_Toc467832920)

[صحابہ کرام اجتہاد کیا کرتے تھے 19](#_Toc467832921)

[صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے سامنے فتوی دیتے تھے جونافذ ہوتے تھے 22](#_Toc467832922)

[تقلید شخصی 22](#_Toc467832923)

[غیراہل علم صحابہ کا اہل علم صحابہ سے فتوی دریافت کرتے تھے 22](#_Toc467832924)

[اہل علم اور غیراہل علم میں فرق 23](#_Toc467832925)

[فتوے کی دلیل بتانا ضروری نہیں ہے 24](#_Toc467832926)

[واجب بالذات اور واجب بالغیر 24](#_Toc467832927)

[تقلید 25](#_Toc467832928)

[ایک حدیث سے مختلف معنی مراد ہوسکتے ہیں 25](#_Toc467832929)

[ایک ہی صورتحال میں فتوے مختلف ہوسکتے ہیں 26](#_Toc467832930)

[صرف الفاظ ہی مراد نہیں ہوتے 27](#_Toc467832931)

[مجتہد 28](#_Toc467832932)

[اجتہاد کے لیے صرف قرآن و حدیث کا علم کافی نہیں 29](#_Toc467832933)

[فتوی وقت کے تقاضے کو دیکھ کر دیا جاتا ہے 30](#_Toc467832934)

[فتوی مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے 30](#_Toc467832935)

[تلقی بالقبول 31](#_Toc467832936)

[تقلید کی مثالیں 31](#_Toc467832937)

[حسن ظن 31](#_Toc467832938)

[اتباع کی قسمیں 32](#_Toc467832939)

[اللہ کا اتباع 32](#_Toc467832940)

[رسول کا اتباع 32](#_Toc467832941)

[جماعت کا اتباع 32](#_Toc467832942)

[مجتہد کا اتباع 33](#_Toc467832943)

[سنت رسول ﷺ، سنت صحابہؓ 33](#_Toc467832944)

[حدیث اور سنت میں فرق 33](#_Toc467832945)

[حدیث اور سنت کے اصطلاحی معنی 34](#_Toc467832946)

[حدیث کے اصطلاحی معنی 34](#_Toc467832947)

[امت سنت پر عمل کرے گی 35](#_Toc467832948)

[حدیث کی مختلف اقسام کی مثالیں 36](#_Toc467832949)

[قولی حدیث کی مثال 36](#_Toc467832950)

[فعلی حدیث کی مثال 36](#_Toc467832951)

[تقریر نبوی کی مثال 36](#_Toc467832952)

[اوصاف نبوی کی مثال 37](#_Toc467832953)

[سنت کے معنی 37](#_Toc467832954)

[سنت کے معنی قرآن کریم میں 37](#_Toc467832955)

[سنت کے معنی حدیث میں 37](#_Toc467832956)

[سنت کے معنی فقہ میں 37](#_Toc467832957)

[وہ روایات جو صرف حدیث ہیں سنت نہیں 37](#_Toc467832958)

[پہلی قسم 38](#_Toc467832959)

[دوسری قسم 38](#_Toc467832960)

[تیسری قسم 39](#_Toc467832961)

[کچھ چیزیں سنت ہیں مگر حدیث نہیں 40](#_Toc467832962)

[وہ روایتیں جو حدیثیں بھی ہیں اور سنت بھی 40](#_Toc467832963)

تمہید

اجتہا و تقلید، اس موضوع کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے چند باتوں کا جاننا ضرورہے۔ سب سے پہلی بات جو اس سلسلے میں جاننی ضروری ہے کہ دینی علوم جس انداز سے آج مدون اور مرتب ہیں اس طرح رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھے۔

علوم کی تدوین

بہت سے علوم صحابہ کرامؓ میں رائج تھے لیکن ان کی زندگیاں جہاد میں گزریں، اس لیے تدوین (کتابی شکل) کے کام کی ان کو فرصت نہیں ملی۔ گو کہ ان کی اصل رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھی لیکن تدوین بعد میں ہوئی۔ مثلا: چاروں خلفائے راشدین اعلی درجے کے محدث تھے۔ لیکن خود ان سے کوئی حدیث کا مجموعہ ہمارے پاس نہیں۔ حدیث کی تدوین کا کام بعد میں ہوا۔ یا جیسے حضرت کعبؓ بہت بڑے قاری تھے۔ لیکن ان کی طرف سے اس علم پر کوئی تصنیف نہیں۔ البتہ بعد کے لوگوں نے اس کو مدون کردیا۔ اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے کام آسان فرما دیا۔

زمانے کے تقاضے

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ وقت اور حالات کے تقاضوں نے بہت سے مسائل پیدا کیے اور بہت سے وہ کام کیے گئے جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں کیے گئے تھے۔ مثلا قرآن پاک کو ایک مصحف (کتابی شکل) میں جمع کرنا رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں ہوا تھا لیکن حالات کے تقاضوں نے اس کی ضرورت پیدا کردی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکرؓ کے دور میں قرآن پاک کو ایک مصحف میں جمع کردیا گیا (حاشیہ: [[1]](#footnote-1))۔اسی طرح آگے کے زمانے میں جب عرب و عجم کا ملاپ ہوا اور خالص عربیت کا ذوق کم ہوگیا اور ضرورت محسوس ہوئی تو قرآن پاک پر اعراب لگائے گئے، آیتوں کی علامتیں ڈالی گئیں، وقوف کی علامتیں لگائیں گئیں۔ یہ سب نبی کریم ﷺ کی حیات پاک میں نہیں تھا۔ ان تمام باتوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دین پر سہولت سے عمل ہوجائے۔ اسی کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے امت نے دین کی تقویت یا اعانت کے تمام جائز طریقوں کو اختیار کیا۔ مساجد میں تنخواہ دار امام اور موذن کا تعین، قرآن پڑھانے کے لیے اجرت کی ادائیگی، مساجد میں وضو اور حاجات کی سہولت، جانمازوں اور قالین کا اہتمام، کتابوں کی تالیف و اشاعت، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، اصلاح باطن کے اعمال وغیرہ سب اس کی مثالیں ہیں۔

تدوین صرف و نحو

قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے بھی مختلف علوم وجود میں آئے جن کا وجود رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھا۔مثلا دین کا کوئی طالب علم، علم نحو (عربی گرامر) پڑھے بغیر آگے نہیں چل سکتا لیکن رسول اللہ ﷺ کے دور میں علم النحو ،بحیثیت علم موجود نہیں تھا۔ دیگر اسلامی علوم کی طرح اس کو بھی بعد میں مدون کیا گیا اور اس کی اصطلاحات متعین کی گئیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بعد کے آنے والے ان علوم (لغت، صرف و نحو، منطق، بیان، تفسیر، حدیث وغیرہ) میں ان پچھلوں کی اتباع یا تقلید کرتے ہیں۔ اور اس تقلید کے بغیر خود قرآن و حدیث کا سمجھنا محال ہے (حاشیہ: [[2]](#footnote-2))۔

تدوین حدیث

اسی طرح وقت اور حالات کے تقاضوں نے حدیث کی تدوین کی ضرورت پیدا کی چنانچہ علمائے دین نے اس کی طرف توجہ کی اور علم الحدیث کی بنیاد ڈالی جس میں حدیث اور سند حدیث پر بحث کی جاتی ہے اور ایسے اصول متعین کیے جن سے حدیث کی صحت اور عدم صحت کا پتہ چلایا جاسکے۔ اور جیسا کہ ہر علم میں ہوتا ہے کہ سمجھنے سمجھانے اور تبادلہ خیال میں سہولت کے لیے اس علم کی اصطلاحیں (مثلا: صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ) بھی وجود میں آئیں۔ علم الحدیث کے اصول اور اس کی اصطلاحیں سب اجتہادی ہیں۔ یہ کام رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھا۔

امام مسلمؒ صحیح مسلم کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

’’(پہلے) لوگ (حدیث کی) سند کے متعلق پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنہ عام ہوگیا تو پھر راوی سے سند کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہوئی۔‘‘

یہاں تک کہ اہل علم نے سند کی تحقیق واجب (ضروری) قرار دے دی۔

تدوین فقہ

اسی طرح شریعت کی روشنی میں مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لیے فقہا نے فقہ کی تدوین کی اور اس میں تحقیق کے طریقے اور اصول بنائے۔ اس کی اصطلاحیں (فرض، واجب سنت وغیرہ) وجود میں آئیں اور تدوین فقہ کا کام سرانجام ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین کے تمام علوم اجتہادی ہیں ان معنوں میں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں موجود تو تھے لیکن اس طرح مدون (یعنی مرتب) نہ تھے جیسے بعد میں ہوگئے۔ اس تدوین و ترتیب سے ان علوم سے فائدہ اٹھانے میں سہولت ہوگئی۔ البتہ یہ فائدہ اٹھانا ہر شخص کا الگ الگ ہے، عالم اپنے علم کے مطابق ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور غیرعالم اپنی حیثیت کے مطابق۔ علوم چاہے دینی ہوں یا دنیاوی، ہر علم کا یہی حال ہے۔ کچھ لوگ علوم ایجاد کرتے ہیں، کچھ ان ایجاد کردہ علوم کو ترقی دیتے ہیں اور باقی لوگ ان کی کوششوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ درحقیقت ہر عالم اپنی تحقیق کا مدار پچھلوں کی ثابت شدہ تحقیق پر رکھتا ہے۔

ایک تاریخی حقیقت

ایک تاریخی حقیقت جو انتہائی اہم اور ذہن نشین کرنے کے قابل ہے وہ یہ کہ فقہ کی تدوین پہلے ہوئی اور حدیث کی تدوین بعد میں۔ فقہا نے فقہ کی تدوین اور اس میں تحقیق کے طریقے پہلے بنا لیے جب کہ محدثین نے یہ کام بعد میں کیا۔ بلکہ حدیث کے مجموعے فقہا کی دی گئی ترتیب کے مطابق تیار کیے گئے ہیں۔ تدوین فقہ کا دور رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے قریب کا تھا۔ یہ تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ تھا۔ اس دور کے علما کے لیے سنت رسول ﷺ کو جاننے کے لیے صحابہ کرامؓ کا عملی نمونہ موجود تھا۔ اسی لیے اس وقت کے علمائے کرام کے نزدیک تعامل (عمل) صحابہؓ کی بہت اہمیت تھی (حاشیہ [[3]](#footnote-3))۔ اور خیرالقرون میں تعامل صحابہؓ (یعنی صحابہ کرام ؓکا عمل) ہی معیار سنت تھا۔ انہوں نے اختلاف احادیث کے وقت ردوقبول میں بھی اور حدیث کے مفہوم کی تعیین میں بھی اصل معیار تعامل صحابہؓ و تابعینؒ کو ٹھہرایا۔ تعامل صحابہ کو معیار بنانا عین فطری بات ہے اس لیے کہ وہ مقدس ہستیاں حیات رسول ﷺ کی عینی شاہد تھیں اور کسی واقعے کے بارے عینی شاہد ہی سب سے زیادہ اہم مانا جاتا ہے۔ وہ فقہا جن کے سامنے یہ عملی نمونے موجود نہیں تھے انہوں نے اختلاف حدیث کے وقت نقد روایات (روایات کا صحیح یا غیر صحیح ہونا) کا معیار روایوں پر رکھ لیا۔ پہلے دور میں پرکھنے کا معیار پوری جماعت (صحابہؓ اور تابعینؒ) کے تعامل پر تھا بعد میں یہ اشخاص پر آگیا۔ اہلسنت و الجماعت کی یہی فضیلت ہے کہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا عمل اور ان کے صحابہ کرامؓ کا عمل بھی قابل حجت ہے۔ اسی سے عنوان، اہلسنت والجماعت نکلا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک حدیث کی تعریف یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین کے قول فعل و تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔کبھی اس کو اثر اور خبر بھی کہتے ہیں۔

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (الحدیث) (صحیح البخاری، کتاب الرقاق)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد ان لوگوں کا جو اس کے بعد ہوں گے پھر جو ان کے بعد ہوں گے۔‘‘

اسی لیے حدیث کی کتابوں میں صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال اور اعمال کا ذکر بھی موجود ہے۔

فعل صحابی کی مثال

 وكان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض على لحيته فما فضل اخذه۔ الحدیث (صحیح البخاری، کتاب اللباس)

عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی (ہاتھ سے) پکڑ لیتے اور (مٹھی) سے جو بال زیادہ ہوتے انہیں کتروا دیتے۔

صحابی کا قول

 لا ناخذ بقولک و ندع قول زید (الحدیث) (صحیح البخاری، کتاب الحج)

بعض لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک مسئلہ پوچھا اور ان کا جواب سننے کے بعد بولے:’’ ہم ایسا نہیں کریں گے کہ آپ کی بات پر تو عمل کریں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی بات چھوڑ دیں یعنی ان کے فتوے کو چھوڑ دیں۔‘‘

قول تابعی

قال عطا آمین دعا۔ الحدیث (صحیح البخاری، باب جہر الامام بالتامین)

یعنی عطاؒ (تابعی) نے فرمایا:’’ آمین دعا ہے۔‘‘

علم کے درجے

سورۃ توبہ کی آیت 122 میں ارشاد باری تعالی ہے:

وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون ()

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں۔ تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین کا (علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ حذر کرتے.

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی دو جماعتیں تھیں: ایک وہ جو علم کے شغل میں رہتی تھی، دوسری وہ جو جہاد کے عمل میں لگی رہتی تھی۔ اس دوسری جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم سے علم سیکھو، اسی کو اتباع یا تقلید کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

1.

فانما شفا العی السوال (الحدیث) (سنن ابی داؤد)

نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے

یہ آیت تو ہر مسلمان کو یاد ہے جس میں وہ اپنے رب سے ان لوگوں کے اتباع کی دعا کرتا ہے جن پر اس کا انعام نازل ہوا۔ اس اتباع کو فقہ میں تقلید کہا جاتا ہے۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم (الفاتحہ)

ہم کو سیدھے رستے چلا ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل وکرم کرتا رہا۔

عن ا بی مسعود ليلني منكم اولو الاحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔ (الحدیث) (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میرے قریب عاقل و سمجھدار صحابہ کھڑے ہوں، پھر جو عقل و فہم میں دوسرے درجہ پر ہوں پھر جو عقل و فہم کے تیسرے درجے پر ہوں۔‘‘

فائدہ:

* یعنی علم کے اعتبار سے سب لوگ برابر نہیں ہوتے۔
* جب علم کے اعتبارسے سب برابر نہیں تو جو نہیں جانتا وہ جاننے والے سے معلوم کرنے کا ذمہ دار ٹھہرا۔ (دیکھیے ‏حدیث 1)

شرعی احکام کی قسمیں

ایک اور اہم بات جو اس موضوع کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے وہ شرعی احکام کی قسمیں ہیں۔شرعی احکام کی دو قسمیں ہیں:

1. ایک وہ جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں حکم موجود ہے (حاشیہ: [[4]](#footnote-4))۔
2. دوسری قسم وہ ہے جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں براہ راست حکم موجود نہیں ہے (حاشیہ:[[5]](#footnote-5))۔
3.

عن معاذ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث معاذا الى اليمن فقال ‏كيف تقضي ‏ ‏ فقال اقضي بما في كتاب الله ‏قال ‏ فان لم يكن في كتاب الله ‏ ‏ ‏ قال فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ‏‏ قال ‏ ‏ فان لم يكن في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ‏ ‏ ‏‏ قال اجتهد رايي ‏ قال ‏ ‏ الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(سنن الترمذی، کتاب الاحکام عن رسول اللہ ، ابوداؤد کتاب الاحکام عن رسول اللہ)

روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے پوچھا:’’جو مسئلے تمہارے سامنے آئیں گے ان کا فیصلہ کیسے کرو گے؟‘‘ انہوں نے کہا:’’کتاب اللہ سے۔‘‘ فرمایا (رسول اللہ ﷺ نے): ’’اگر کتاب اللہ میں نہ ملا؟‘‘انہوں نے کہا:’’تب سنت رسول ﷺ سے۔‘‘ فرمایا (رسول اللہ ﷺ نے): ’’اگر سنت رسول ﷺ سے نہ ملا؟‘‘ انہوں نے کہا:’’اپنی رائے سے۔‘‘ (یعنی اجتہاد سے)۔

اس حدیث میں مجتہد کے لیے دلائل کی ترتیب یہ آئی ہے: (1) کتاب اللہ (2) سنت رسول اللہ ﷺ (3) اجتہاد مجتہد۔

* سورۃ نساء آیت 59 میں ہے:

فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول (الآیۃ)

پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ (یعنی قرآن) اور رسول (یعنی سنت) کے حوالے کردو۔

اہل سنت و الجماعت کے یہاں بھی مسائل کے حل کے لیے دلائل کے یہی ذرائع ہیں۔ (1) کتاب اللہ (2) سنت رسول اللہ ﷺ (3) اجتہاد مجتہد۔

**اجتہاد**: وہ طریقہ کار جس سے شریعت کا حکم معلوم ہوجائے اس کا نام اجتہاد ہے۔یہ بات تو ہر شخص سمجھتا ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات و حالات بے حد و بے حساب ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ ہر واقعے کے بارے میں نص (قرآن و حدیث) موجود نہیں ہے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ جب نصوص محدود اور واقعات و حالات لامحدود تو لازما حکم شریعت معلوم کرنے کے لیے نصوص میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس غور و فکر کو اجتہاد کہتے ہیں۔ البتہ اجتہاد کے باب میں اہلسنت و الجماعت ان تمام اجتہادات، جن پر دور میں صحابہ کرام اور بعد کے ادوار میں علمائے امت اتفاق یعنی اجماع کرچکے ہیں اس کو بھی دلیل مانتے ہیں۔ جیسے ابوبکرؓ کی خلافت کا قیام۔ رمضان کے پورے مہینے میں بیس رکعتوں کے ساتھ تراویح کی ادئیگی، ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی ماننا، جن پر سیدنا عمرؓ کے دور میں اجماع ہوگیا۔ قیاس کو وہ اس اعتبار سے دلیل مانتے ہیں کہ وہ اجتہاد کا ایک طریقہ ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا

(النساء: 115)

اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے اس کو ہم اسی کے حوالے کردیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

ويتبع غير سبيل المؤمنين

یعنی جب مسلمان کسی بات پر جمع ہوجائیں یعنی اجماع کرلیں تو اس سے الگ راہ جہنم کا راستہ ہے۔

اجماع

حقیقت اجماع یہ ہے کہ کسی زمانے کے تمام علما کسی دینی مسئلہ پر متفق ہوں گو بعض کا اس میں اختلاف بھی ہو۔ اہل علم کے اس طرح کے اتفاق کو شریعت کی اصطلاح میں اجماع کہاجاتا ہے۔ اجماع کی ایک مثال سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت کا انعقاد ہے۔ اجماع کی ایک اور مثال تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین (ہاتھ اٹھانے) کا مسئلہ ہے جس پر تمام مجتہدین متفق ہیں اس لحاظ سے یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا۔ اجماع کی ایک اور مثال صحیح بخاری کو قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب مانا جانا ہے۔ حالانکہ اس پر قرآن و حدیث کی کوئی دلیل نہیں لیکن علمائے اسلام نے دلائل کی روشنی میں اس کو طے کردیا ہے۔ اسی لیے اجماع اہل سنت و الجماعت کے نزدیک شرعی مسائل کی ایک دلیل ہے۔ ایسا مسئلہ جس پر اجماع ہوچکا تو اب اس کو موضوع بحث نہیں لایا جائے گا۔ اب اگر کوئی ان اجماعی امور کے خلاف بات کرے گا تو اس کو خلاف شریعت کہا جائے گا۔

قیاس

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

فاعتبروا یا اولی الابصار (الحشر: 2)

عبرت حاصل کرو، اے بصیرت والو

اعتبار یا عبرت کہتے ہیں کسی گزرے ہوئے واقعہ سے سبق حاصل کرنا۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو قیاس کہتے ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کوAnalogy (مماثلث) کہا جاتا ہے۔ قیاس اجتہاد کا ایک طریقہ ہے جس میں معلوم مسئلے کے ذریعے نامعلوم مسئلے کا حل دریافت کیا جاتاہے۔ دوسرے لفظوں میں نامعلوم مسئلے کی نظیر معلوم مسائل میں ڈھونڈی جاتی ہے۔

‏حدیث 3 ، ص 7 پر حضرت معاذؓ نے مسئلے کا حل معلوم کرنے کا آخری طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ اجتہد برائی یعنی :’’اپنی رائے سے اجتہاد‘‘۔ مناسب ہوگا کہ رائے کی قسمیں بیان کردی جائیں۔ رائے کی تین قسمیں ہیں:

1. رائے کی پہلی قسم وہ ہے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔
2. ایسی رائے سے دین کے مسئلے گھڑنا جس کی بنیاد نہ کتاب ہو نہ سنت ہو۔ ایسی رائے کو بدعت کہتے ہیں
3. رائے کی تیسری قسم وہ ہے جو قرآن و سنت کی تشریح کے لیے ہو۔ سیدنا معاذؓ نے فرمایا تھا: اجتہد برائی ’’اپنی رائے سے۔‘‘ اس سے یہی رائے مراد ہے۔
4.

عن ابي هريرة ان رجلا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ولد لي غلام اسود فقال هل لك من ابل قال نعم قال ما الوانها قال حمر قال هل فيها من اورق قال نعم قال فانى ذلك قال لعله نزعه عرق قال فلعل ابنك هذا نزعه۔ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق)

حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بولا:’’میری بیوی نے کالا بچہ جنا ہے! ( گویا اس نے اس کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کردیا ) ۔‘‘ تب رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:’’کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟‘‘اس نے کہا:’’جی ہاں!‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ان کا رنگ کیا ہے؟‘‘ اس نے کہا: ’’سرخ۔‘‘ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:’’ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا: ’’جی ہاں۔‘‘ تب آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:’’وہ کیسے ہوگیا؟‘‘ اس (دیہاتی) نے کہا:’’بنیاد کا اثر ہوگا۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ بھی کوئی بنیاد ہوگی جو ظاہر ہوگئی۔‘‘ اس لیے آپ ﷺ نے اسے نفی کرنے (لعان) کی اجازت نہیں دی۔

1.

عن ابن عباس ان امراة جاءت الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت ان امي نذرت ان تحج فماتت قبل ان تحج افاحج عنها قال نعم حجي عنها ارايت لو كان على امك دين اكنت قاضيته ؟ قالت نعم فقال اقضوا الله الذي له فان الله احق بالوفاء۔

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی پاک ﷺ خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: ’’ میری ماں نے حج کی نذر مانی لیکن حج سے قبل ہی وفات پاگئی تو میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں اس کی طرف سے حج کر۔‘‘ پھر آپ ﷺ نےفرمایا: ’’اگر اس پر کسی کا قرضہ ہوتا تو کیا اسے ادا کرتی؟‘‘ اس عورت نے کہا: ’’ہاں۔‘‘ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تو اللہ تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے ہے اس کا قرضہ ادا کیا جائے، پس اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے ۔‘‘

* ان دو حدیثوں سے قیاس کا ثبوت ملتا ہے۔
* ‏حدیث 4 میں رسول اللہ ﷺ نے انسان کے بچے کو اونٹ کے بچے پر قیاس فرمایا۔
* ‏حدیث 5 میں آپ ﷺ نے ادائیگی حج کو ادائیگی قرض پر قیاس فرمایا۔
* اسی طرح جب کسی مسئلہ میں شریعت میں براہ راست حکم نہیں ہوتا تب قیاس کے ذریعے سے شریعت کا حکم معلوم کیا جاتا ہے۔

قیاس کی مثالیں

1. سیدنا ابوبکر کی خلافت کا انعقاد حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے ہوا۔ اس بارے میں نہ کوئی آیت پیش کی گئی نہ ہی کسی حدیث کا حوالہ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ قیاس فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کو نماز میں ہم سب کا امام بنایا تھا، اسی پر قیاس کر کے ہم احکام سلطنت میں بھی آپؓ کو اپنا امام بناتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ کے الفاظ تھے:

 يا معشر الانصار الستم تعلمون ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد امر ابا بكر ان يؤم الناس قالوا بلى قال فايكم تطيب نفسه ان يتقدم ابا بكر قالت الانصار نعوذ بالله ان نتقدم ابا بكر۔ (مسند احمد، صحیح)

’’اے انصاریو! کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر ؓکو حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں‘‘؟ ان (انصاریوں) نے جواب دیا: ’’کیوں نہیں۔‘‘ اس پر عمرؓ بولے: ’’پھر تم میں سے کس کا جی چاہے گا کہ ابوبکر ؓسے آگے بڑھے۔‘‘ انصار بولے: ’’ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ پر سبقت لے جائیں۔‘‘

اس اجتہاد کی تقلید سب سے پہلے خود عمرؓ نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرکے کی جس کے بعد دوسرے صحابہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

1. صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک روایت میں آتا کہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دستہ روانہ فرمایا جس کا ایک امیر مقرر فرمایا اور باقی لوگوں کو امیر کی اطاعت کا حکم فرمایا۔ کسی سبب سے امیر لشکر کو غصہ آگیا اور انہوں ایک آگ روشن کروائی اور لشکریوں کو اس آگ میں داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ اولا تو لوگوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کرلیا لیکن بالآخر رک گئے اور بولے:

فررنا الى النبي صلى الله عليه وسلم من النار

ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف (جہنم کی) آگ سے بھاگ کر آئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم اتباع امیر کا تھا لیکن صحابہ کرامؓ اس آگ کو نار جہنم پر قیاس کرکے آگ میں داخل نہیں ہوئے۔ اس کی تصدیق آپ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے جو اسی روایت میں ہے:

لو دخلوها ما خرجوا منها الى يوم القيامة

اگر یہ لوگ (اس آگ میں) داخل ہوجاتے تو قیامت تک اس سے نہ نکلتے۔

1. شراب پینے کی حد اسّی (۸۰) کوڑے ہے۔ اس حد کی بنیاد کوئی قرآنی آیت ہے نہ کوئی حدیث بلکہ یہ حد قیاس (بہتان) کی بنیاد پر مقرر کی گئی ہے۔
2. نفاس کے بارے میں شریعت میں کوئی براہ راست حکم موجود نہیں ہے۔ البتہ حیض والی عورتوں سے دور رہنے کی وجہ خود قرآن میں ناپاکی بتائی گئی ہے۔ یہ اس حکم کی علت ہوگئ چنانچہ اسی علت (ناپاکی) کو سامنے رکھتے ہوئے نفاس کو حیض پر قیاس کرلیا گیا ہے اور اس کے مسائل بھی طے کرلیے گئے۔
3. شریعت میں بھینس کے دودھ یا گوشت کے استعمال کے بارے میں براہ راست کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بھینس کو گائے پر قیاس کرکے اس کے مسائل طے کرلیے گئے ہیں۔

شرعی احکام کی قسمیں اور اجتہاد کے مواقع

شرعی احکام یعنی منصوص احکام یعنی جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں حکم موجود ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

1. متعارض
2. غیر متعارض
3. **متعارض**: اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلے میں ایک سے زیادہ حکم موجو دہیں۔ ایسی صورت میں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ان حکموں کی تاریخی ترتیب کیا ہے۔ بعض اوقات احادیث ہی سے اس بات کا پتہ چل جاتا ہے مثلا آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ پہلے میں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا اب اجازت دیتا ہوں (صحیح مسلم)۔ چنانچہ وہ احادیث جن میں زیارت قبور کا منع فرمانا آیا ہے وہ اس حدیث سے منسوخ ہوگئیں (حاشیہ: [[6]](#footnote-6))۔ اس مسئلے میں ہمیں معلوم ہے کہ کون سی حدیث پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی۔ اس علم کی وجہ سے اس مسئلے میں ایک حکم متعین کرنا ممکن ہوتا ہے (حاشیہ: [[7]](#footnote-7))۔ لیکن بعض اور احادیث کے سلسلے میں اس طرح کی وضاحت نہیں ملتی۔ اس میں یہ طے کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ کون سی حدیث پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی۔ اس موقع پر اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے (حاشیہ: [[8]](#footnote-8))۔ اس کی مثال رکوع و سجود کے وقت رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ صحیح بخاری، سنن نسائی، مسند احمد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔ جب کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن سمرۃؓ سے فرمایا:

’’کیا ہے کہ میں تم کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں گویا کہ وہ مست گھوڑوں کے دم ہیں، نماز میں سکون پکڑو۔ ‘‘

عبداللہ ابن مسعود کی حدیث ہے کہ انہوں نے کہا:

’’کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟‘‘ پھر آپؓ نے نماز پڑھی اور ایک مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ (مسند احمد، صحیح، سنن ابوداؤد، صحیح ، سنن النسائی، صحیح)

اب ہمیں یہ نہیں معلوم کہ کون سا حکم پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا۔ ایسے موقع پر اجتہاد (غور و فکر) اور دیگر نصوص پر توجہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔اور مجتہد کسی ایک عمل کو راجح (ترجیح دینا) قرار دے کر اس پر عمل کو اختیار کرتا ہے اور دوسرے کو مرجوح (ترجیح نہ دینا) قرار دے کر اس پر عمل ترک کرتا ہے۔ ایسا ہونا شریعت کے خلاف بھی نہیں۔ یہ چیز صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی موجود تھی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ وہ احادیث جن کی تاریخی ترتیب ہمیں نہیں معلوم ہے اس وقت تمام حدیثوں پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں۔ نماز میں رفع یدین کا مسئلہ بھی اسی طرح کا ہے۔ ظاہر ہے جو رفع یدین کا قائل ہوگا وہ رفع یدین نہ کرنے والی حدیثوں کو ترک کر رہا ہوگا۔ اسی طرح جو رفع یدین نہ کرنے کا قائل ہوگا وہ رفع یدین کرنے والی حدیثوں پر عمل نہیں کرسکے گا۔

1.

حضرت ہذیل بن شرحیبل کی روایت ہے کہ حضرت ابوموسی اشعریؓ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی پوچھا گیا اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کے فتوی کے بارے میں ان کو بتادیا گیا تو عبداللہ ابن مسعودؓ نے کچھ اور فتوی دیا۔ ان کے فتوے کی خبر حضرت موسی اشعریؓ کو دی گئی تو انہوں نے فرمایا:

لا تسئلونی عن شيء ما كان هذا الحبر بين اظهركم (صحیح البخاری، کتاب الرضاعۃ)

 جب تک اتنے بڑے عالم تم لوگوں میں موجود ہیں تو تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔

 فائدہ: اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوئے:

* حضرت ابوموسی اشعریؓ کا حضرت عبداللہ ابن مسعود پر حسن ظن تھا جس کی بنیادپر انہوں نے لوگوں کو مسائل کے لیے ان کی طرف رجوع کرنے کا ارشاد فرمایا۔
* صحابہ کرام فتوی دیا کرتے تھے۔
* ایک ہی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے فتووں میں فرق ہوجاتا تھا۔
* حضرت موسی اشعریؓ نے فتوی لینے کے لیے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو متعین کردیا جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ایک متعین عالم سے فتوی لینے کو شریعت کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ بعد میں اس کو اصطلاحا تقلید شخصی کہا جانے لگا۔
1. **غیرمتعارض:** جن مسائل میں نصوص آپس میں متعارض نہیں ہوتیں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

**محکم**: اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے اس کا کوئی دوسرا مطلب ممکن نہیں۔ ان مسائل میں جو منصوص ہیں (یعنی قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے) اور جو کسی دوسری نص (آیت یا حدیث)سے متعارض نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایسے مسائل دائرہ اجتہاد سے خارج ہیں بلکہ ایسا کرنا جائز ہی نہیں۔ اس کی مثال تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین (نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کا اٹھانا) ہے جس پر تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے۔ یا بکری کے حلال ہونے اور خنزیر کے حرام ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں (حاشیہ: [[9]](#footnote-9))۔

**محتمل**: یہ احتمال سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے ایک سے زیادہ معانی ممکن ہوسکتے ہیں۔ وہ مسائل جن میں نص تو موجود ہے لیکن اس میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال )امکان (ہے (حاشیہ: [[10]](#footnote-10))۔ اس طرح کا ایک مسئلہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث جو صحیح بخاری میں ہے:

لا صلاة لمن لم يقرا فيها بفاتحة الكتاب۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ)

 اس کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔

 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

جب کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے:

و اذا قرا فانصتوا۔

جب وہ (امام) قرات کرے تو تم خاموش رہو۔

اور مسند امام احمد میں صحیح حدیث ہے:

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرا فانصتوا۔

ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’امام تو اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو۔‘‘

عن ابي نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله يقول من صلى ركعة لم يقرا فيها بام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء الامام۔ (سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، حسن صحيح)

ابو نعیم وہب بن کیسان بتاتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبداللہؓ کو فرماتے سنا کہ جو کوئی ایک رکعت بھی ایسی پڑھے جس میں الحمد نہ پڑھی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوئی بجز اس صورت کے کہ اس نے امام کے پیچھے (نماز) پڑھی ہو۔

* اور قرآن پاک کی آیت ہے:

و اذا قری القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون (الاعراف: 204)

آیت اور حدیثوں سے معلوم ہوا کہ امام کی قرات کے وقت مقتدی کو خاموش رہنا ہے۔ یعنی امام کی قرات مقتدی کے لیے کافی ہے۔

یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں لیکن ان سے فاتحہ خلف الامام پر ایک رائے قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کی ایک اور مثال بنی قریظہ والی حدیث ہے۔

عن عبد الله قال نادى فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم انصرف عن الاحزاب ان لا يصلين احد الظهر الا في بني قريظة فتخوف ناس فوت الوقت فصلوا دون بني قريظة وقال آخرون لا نصلي الا حيث امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وان فاتنا الوقت قال فما عنف واحدا من الفريقين۔ (صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق کے دن میں صحابہؓ سے فرمایا کہ عصر کی نما بنی قریظہ (کی بستی) میں پہنچنے سے پہلے کوئی نہ پڑھے۔ لیکن صحابہ( کو تاخیر ہوگئی اور) عصر کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہوگیا اس پر بعض صحابہؓ نے بنی قریظہ پہنچے سے پہلے ہی نماز پڑھ ڈالی اور بعض دوسروں نے کہا کہ نے کہا ہم نماز نہیں پڑھیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق (بنی قریظہ) نہ پہنچ جائیں چاہے وقت ختم ہوجائے، (پھر یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئی تو) آپ ﷺ نے کسی پر بھی ملامت نہیں کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض حدیثوں کا مفہوم ایک سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ایسی کسی حدیث کا معنی متعین کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اور مجتہد اپنے علم کی بنیاد پر کسی ایک معنی کو ترجیح دیتا ہے۔

**غیر منصوص مسائل**: یعنی وہ مسائل جس کوئی نص (یعنی قرآن و حدیث) میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی ایسے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اب اگر دین کامل ہے تو یقینا ان مسائل کا حکم بھی ہوگا۔ ایسی صورت میں مجتہد منصوص مسائل (جن کا حکم قرآن و حدیث میں موجود ہے) میں کوئی علت ڈھونڈتا ہے۔ وہی علت (نکتہ اشتراک) جن غیرمنصوص مسائل میں پائی جاتی ہے تو وہی حکم اس میں جاری کرتا ہے اور مقلد، مجتہد کی رہنمائی میں اسی حکم پر عمل کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دودھ میں چیونٹی گرجائے تو اس کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں شریعت میں اس کا کوئی حکم نہیں۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ پینے کی چیز میں اگر مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے کر نکال کر پھینک دو اور و ہ چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ اس حدیث سے مجتہدین نے یہ علت تلاش کی کہ مکھی میں دوڑتا ہوا خون نہیں ہوتا اس لیے جس جانور میں یہ علت پائی جائے گی وہاں یہی حکم پایا جائے گا۔ یا گائے کے دودھ اور گوشت کے متعلق تو روایات موجود ہیں لیکن بھینس کا دودھ اور گوشت استعمال کرنے کے متعلق کوئی ہدایت موجود نہیں ہے یا حالت جنابت میں غسل کے لیے اگر پانی نہ ملے تو تیمم کا حکم حدیث میں موجود ہے لیکن حائضہ کو اگر پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمم کرسکتی ہے اس پر قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہیں۔ ایسے تمام مسائل کا فیصلہ اجتہاد کے ذریعے کیا جائے گا جس کے لیے قیاس کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ اجتہاد اہل علم پر لاز م ہے۔ حق تعالی کا ارشاد ہے:

واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوه الى الرسول والى اولي الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم۔(النساء: 83)

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اس کو مشہور کردیتے ہیں اور اگر اس کو پیغمبر یا اولی الامر (حکام یا علما) کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔

یعنی اولی الامر کی ذمہ داری ہے کہ جدید مسائل میں عام مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔ اس کو استنباط کہا گیا ہے۔ اسی استنباط کو قفہ میں اجتہاد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ وہ مسلمان جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے ذمہ اپنے مسائل کو اولی الامر سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا ہے۔ اسی کو تقلید کہا جاتا ہے۔

عن علي قال قلت يا رسول الله ان نزل بنا امر ليس فيه بيان امر ولا نهي فما تامرنا قال تشاورون الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه راي خاصة

(مجمع الزوائد، للھیثمی، رجاله موثقون من اهل الصحيح‏‏)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا:’’اے اللہ کے رسول اگر کوئی مسئلہ ہمیں جس کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں نہ حکم نہ منع تب ہم کیا کریں گے؟‘‘ (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: ’’فقہا اور عابد لوگوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرنا اور اس (طرح کے معاملے) میں ایک رائے پر مت چل پڑنا۔‘‘

 فائدہ:

* وہ مسلمان جو اہل اجتہاد (استنباط) میں سے نہیں ہیں ان کے لیے اجتہادی احکام جاننے کا راستہ یہی ہے کہ وہ کسی اہل علم کا اتباع یا تقلید کریں۔

**استنباط کی ایک مثال**

سنن ترمذی کی ایک روایت ہے جس میں ایک بدو نے آپ ﷺ کے پاس دوزانو بیٹھ کر کچھ سوالات کیے تھے جن کے جوابات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے تھے۔ اس روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

سمعت محمد بن اسمعيل يقول قال بعض اهل العلم فقه هذا الحديث ان القراءة على العالم والعرض عليه جائز مثل السماع واحتج بان الاعرابي عرض على النبي صلى الله عليه وسلم فاقر به النبي صلى الله عليه وسلم

(سنن الترمذی، كتاب الزكاة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، صحیح)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسمعیل (یعنی اپنے استاد امام بخاریؒ) سے سنا کہ بعض اہل علم نے کہا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ طالب علم کا (عبارت) پڑھنا اور استاد کا اس کو سننا جائز ہے جیسا کہ استاد کا عبارت پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ مثا ل ہے حدیث سے مسئلہ اخذ کرنے کی۔ گو کہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم میں اس کی کوئی گنجائش نہیں نظر آتی لیکن فقہا نے اس سے یہ حکم اخذ کیا (یعنی استنباط کیا) کہ شاگرد بھی عبارت پڑھ سکتا ہے۔

مسائل کا حل کیسے؟

آپ ﷺ کی حیات میں مسائل کا حل دریافت کرنے کے تین طریقے تھے:

1. جو لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے وہ براہ راست آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کرلیتے۔
2. جو دور ہوتے تو اگر وہ مجتہد ہوتے تو خود ہی اجتہاد کرلیتے۔ (دیکھیے ‏حدیث 16، ص 20)
3. جو خود مجتہد نہ ہوتے تو کسی مجتہد سے دریافت کرلیتے۔ جیسے یمن میں حضرت معاذؓ مجتہد تھے اور وہاں کے باشندے ان سے مسئلہ پوچھ لیتے تھے۔اس کو اصطلاح میں اتباع مجتہد یا تقلید مجتہد کہتے ہیں۔ (دیکھیے ‏حدیث 19، ص 21، ‏حدیث 21،ص 22)

آپ ﷺ کے وصال کے بعد اب دو ہی طریقے رہ گئے، مجتہد اجتہاد کرے اور عام لوگ تقلید۔

اس تمام تفصیل کی بنیاد پر شرعی احکام کی تقسیم کچھ یوں ہوگی:

1. منصوص غیرمتعارض معلوم التقدیم والتاخیر: ان مسائل میں اجتہاد نہیں ہوتا۔
2. منصوص متعارض غیرمعلوم التقدیم والتاخیر: اس طرح کے مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔
3. منصوص غیرمتعارض محتمل وجوہ مختلفہ: اس طرح کے مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔
4. غیرمنصوص: اس طرح کے مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔

اس بحث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اجتہاد صرف ان مسائل ہی میں نہیں ہوتا جن کے بارے میں شریعت میں براہ راست کوئی حکم نہیں ہے جیسا کہ عام خیال ہے بلکہ اجتہاد ان مسائل میں بھی ہوتا ہے جن میں کسی شرعی حکم کی ایک جہت متعین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح جن نصوص کی مراد (مفہوم) میں اختلاف ہے ان میں بھی اجتہاد کے ذریعے ایک مراد متعین کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے افعال کی درجہ بندی

اجتہاد کا ایک موقع آپ ﷺ کے افعال کی درجہ بندی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ آپ ﷺ نے جو کام اپنی حیات پاک میں کیے، ان کا درجہ کبھی فرض ہوتا ہے کبھی واجب یا سنت مؤکدہ یا مستحب یا مخصوص اور بعض موقعوں پر وہ منسوخ بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ کام جن سے آپ ﷺنے منع فرمایا ان میں یہ احتمال ہے کہ وہ حرام تھا یا مکروہ وغیرہ۔ چنانچہ مجتہد اپنی اجتہادی صلاحیت سے طے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا فعل مبارک ہمارے لیے کس درجے کا ہے۔ اس اجتہاد کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ کسی حدیث سے ہمیں یہ ہدایت نہیں ملتی کہ رسول اللہ ﷺ کا فعل شرعا کس درجے کا تھا۔ فقہا نے حدود شرعیہ (یعنی فرض، واجب سنت، مستحب وغیرہ) کا تعین کیا ہے جو ان کا بڑا کارنامہ ہے اور تمام امت اس میں ان کی مقلد ہے۔ البتہ اس درجہ بندی میں مجتہدین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس طرح کا اختلاف خود صحابہ کرامؓ میں بھی پایا جاتا تھا۔

1.

عن ابن عباس قال ليس التحصيب بشيء انما هو منزل نزله رسول الله صلى الله عليه وسلم۔(صحیح مسلم، کتاب الحج)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حاجی کا محصور (یعنی وادی ابطح) میں اترنا کچھ بھی نہیں وہ صرف ایک پڑاؤ کی جگہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ٹھہرگئے تھے۔

 **فائدہ:** اس حدیث سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

* رسول اللہ ﷺ کا فعل سنت ہونے کی دلیل ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ اپنی اجتہادی قوت سے فیصلہ فرماتے ہیں کہ یہ فعل سنت نہیں بلکہ آپ ﷺ اس جگہ اتفاق سے ٹھہرگئے تھے۔ چنانچہ وہ اس کو مستحب سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ ، ابوبکرؓ اور عمرؓ ابطح پر ٹھہرا کرتے تھے۔(مسلم، کتاب الحج)۔ اسی لیے وہ اس مقام پر ٹھہرنے کو سنت قرار دیتے ہیں۔

* صحابہ کرامؓ قوت اجتہاد سے رسول اللہ ﷺ کے فعل کا درجہ متعین کرتے تھے۔
* مجتہد بھی اپنی قوت اجتہاد سے فعل کی حیثیت کو متعین کرسکتا ہے۔ چنانچہ نماز کے جتنے اعمال ہیں ان کی درجہ بندی یعنی ارکان، شرائط، واجبات وغیرہ کی تفصیل خالصتا اجتہادی ہے جو مجتہدین نے بیان کی ہے اور امت آج بھی اس درجہ بندی کا اتباع یا تقلید کرتی ہے۔

اجتہاد کی مثالیں

* احادیث کی درجہ بندی (صحیح، حسن وغیرہ) بھی اجتہادی امر ہے۔ اور اس درجہ بندی کے جو اصول ہیں وہ بھی قیاسی ہیں یعنی محدثین کے بنائے ہوئے ہیں جن پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں۔
* بخاری کو حدیث کی صحیح ترین کتاب ماننا ایک اجتہادی امر ہے جس پر علما کا اجماع ہے۔ اس پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

صحابہ کرام کا اختلاف

1. جو حدیثیں متعارض ہیں یا جن کی مراد میں اختلاف ہے ان میں صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف ہے۔ یہ صحابہؓ جن علاقوں میں آباد ہوئے وہاں ان کے شاگردوں اور عام لوگوں کے لیے ان کا عمل حجت اور دلیل بن گیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ والوں کے لیے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا عمل فتوے کی دلیل بن گیا۔ اس کے برخلاف کوفہ جو پہلی صدی ہجری میں علمی مرکز تھا اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ وہاں آباد تھے وہاں کے علما کے لیے ان کا عمل فتوے کی دلیل بن گیا۔ اور جن جن امور میں ان بزرگوں کے درمیان اختلاف تھا وہی اختلاف ان دونوں شہروں کے فقہا کے درمیان بھی پیدا ہوا ۔ چنانچہ بعض احادیث کو بعض علاقوں میں عملی تواتر نصیب، ہوا یعنی وہ عمل میں آئیں اور بعض دوسروں علاقوںمیں اسی مسئلے پر دوسری حدیثوں کو عملی تواتر حاصل ہوا صحابہ کرامؓ کا اختلاف رائے بعد کے فقہا میں اختلاف رائے کا سبب بنا۔

حدیث کی اصل غایت فہم ہے

1.

عن ابن مسعود سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول نضر الله امرءا سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعي من سامع‏۔

(سنن الترمذی، کتاب العلم، حسن)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ’’تروتازہ کرے اللہ اس بندے کو جو میری بات سنے اور اس کو اس طرح (آگے) پہنچائے جیسا کہ اس نے اس کو سنا کہ کئی بار جس تک بات پہنچائی جاتی ہے پہنچانے والے سے زیادہ اس کو سمجھتا ہے۔‘‘

 فائدہ:

* حدیث کی روایت کے دو مقصد ہوتے ہیں: الفاظ رسول اللہ ﷺ کو روایت کرنا اور مراد رسول اللہ ﷺ کو امت تک پہنچانا۔اس حدیث کے مطابق حدیث کا اصل مقصد فقہ ہی ہے۔
* صرف نص (قرآن و حدیث) کا یاد ہونا فہم کے لیے کافی نہیں ہے۔
* حدیث یاد کرنا اور اسے سمجھنا اور اس کا مطلب نکالنا دو الگ الگ کام ہیں۔
* پہلا کام یعنی یاد کرنا محدثین کا کام ہے، دوسرا کام یعنی اس کو سمجھنا فقہا کا کام ہے۔
* امام ترمذیؒ اپنے مجموع حدیث، سنن ترمذی میں ایک حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:
1. وكذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث (سنن الترمذی، باب غسل المیت، صحیح)

اور اسی طرح فقہا نے (اس حدیث کا مطلب) بیان کیا ہے اور فقہا ہی حدیث کے معانی کو بہتر سمجھتے ہیں

1. :حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود تو انہوں نے ایک سیاہ دھاگا اور ایک سفید دھاگا لے کر رکھ لیا اور رات میں دیکھتا رہا مجھ پر ان کے رنگ نہ کھلے، جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

انما ذلك سواد الليل وبياض النهار اس سے تو رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الصوم)

 فائدہ:

* حضرت عدی بن حاتم عربی زبان سے بخوبی آگاہ تھے لیکن اس کے باوجود قوت اجتہاد نہ ہونے کی وجہ سے فہم آیت میں غلطی ہوگئی۔
* آپ ﷺ نے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کا انکار نہیں فرمایا البتہ ان کے فہم کی غلطی کی طرف اشارہ فرمایا۔

عن ابن مسعود قال قال رسول الله انزل القرآن على سبعة احرف لكل آية منها ظهر وبطن ولكل حد مطلع۔

(صحیح ابن حبان ، كتاب العلم باب الزجر، حسن- الجامع الصغیر ، حسن)

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:’’قرآن سات حرفوں پرنازل کیا گیا ہے ہرآیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کے لیے طریقہ اطلاع الگ الگ ہے۔‘‘

عن ابي جحيفة قال قلت لعلي بن ابي طالب هل عندكم كتاب قال لا الا كتاب الله او فهم اعطيه رجل مسلم(صحیح البخاری، کتاب العلم)

حضرت ابن جحیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کہ کیا آپ کے پاس کوئی (اور بھی) کتاب ہے؟ انہوں نے فرمایا: ’’نہیں، مگر اللہ کی کتاب قرآن ہے یا پھر (اللہ کا دیا ہوا) فہم ہے، جو وہ ایک مسلمان کو عطا کرتا ہے۔

* یعنی نصوص کی گہری باتوں کو سمجھنا یہ اللہ تعالی کی خاص دین ہے۔
* اس فہم کو کبھی فقہ کہا گیا ہے، کبھی رائے، کبھی اجہتاد، کبھی استنباط اور کبھی شرح صدر کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مراد حدیث چند مثالیں

 رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

افضل الصلوۃ طول القنوت (صحیح مسلم)

افضل نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔

 لیکن جب حضرت معاذؓ نےایک نماز کی امامت کرتے ہوئے طویل قیام کیا جس سے ایک آدمی نے نماز توڑ دی اور اس طویل قیام کی خبر رسول اللہ ﷺ کو کی تو آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا:فتان فتان فتان (تم لوگوں کو فتنے میں ڈالنے والے ہو)، (صحیح بخاری)۔

 فائدہ:

* رسول اللہ ﷺ کا حضرت معاذ کو تنبیہ فرمانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مطلب وہ نہیں تھا جو حضرت معاذؓ نے سمجھا۔
* صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق رسول ﷺ نے موت کی تمنا سے منع فرمایا ہے، لیکن امام بخاریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے یہ دعا کی تھی:’’اے اللہ مجھے اپنی طرف اٹھا لے۔‘‘ صرف ایک ماہ کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ حدیث شریف کے واضح حکم کے باوجود امام بخاری کا اپنی موت کی دعا کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امام بخاری کے نزدیک حدیث کا مفہوم کچھ اور تھا۔
* حدیث میں آتا ہے:

لا صام من صام الابد (صحیح البخاری، کتاب الصیام)

جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود امام بخاری ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔

* صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ ہفتے میں صرف ایک قرآن ختم کرو۔ لیکن سیدنا عثمانؓ کے متعلق ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ وہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے (طبرانی بسند حسن)۔

عن ابي ايوب الانصاري قال قال رسول لا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها ولكن شرقوا او غربوا

 (سنن النسائی، کتاب الطھارۃ، صحیح)

اس روایت کا مفہوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ رفع حاجت کے وقت قبلہ رخ نہ منہ کرو نہ پشت بلکہ اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف رکھو۔

* اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ قبلہ مشرق یا مغرب کی طرف نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اگر کسی علاقے کے لوگ مغرب کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے وہاں کے باشندوں کی نماز نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ ہر سمجھدار شخص جان سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إذا تبايعتم بالعينة واخذتم اذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، صحیح)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم بیع عینہ کرنے لگو اور گائے (بیل) کی دم پکڑنے لگو اور زراعت پر خوش ہو کر جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جو اس وقت تک نہیں اتارے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ لوٹو گے۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی ذلت کا سبب خرید و فروخت اور زراعت ہی ہیں جب کہ باقی کام مثلا ، فیکٹری لگانا، دکان کھولنا وغیرہ کا اس ذلت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ظاہری مفہوم ٹھیک نہیں۔ اس کا دوسرا مطلب جو فقا ہت (یعنی غور و فکر) سے نکلتا ہے وہ یہ کہ دنیا کے کاموں میں اس طرح لگ جانا کہ جہاد اور اس کے دیگر امور کی طرف غفلت ہوجائے اس سے دشمنان دین کو مضبوط ہونے کا موقع ملتا ہے جو بالآخر مسلمانوں کی ذلت کا باعث بن جاتا ہے۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبولن احدكم في الماء الدائم الذي لا يجري ثم يغتسل فيه (صحیح البخاری، کتاب الوضوئ)

 حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں )جو جاری نہ ہو (پیشاب نہ کرے پھر اسی میں غسل کرنے لگے۔

اگر ظاہری الفاظ پر جایا جائے تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں صرف پیشاپ کرنے سے وہ پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر پیشاپ بہہ کر ٹھہرے ہوئے پانی میں چلا جائے تو کیا حکم ہوگا؟ یا اگر کوئی کسی برتن میں پیشاپ لاکر ٹھہرے ہوئے پانی میں ڈال دے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ یا اگر اس میں کوئی اور گندگی ڈالی جائے تو کیا حکم ہوگا؟

تحقیق حدیث

تحقیق حدیث یعنی حدیث سے مسئلہ اخذ کرنا تین باتوں کا نام ہے:

1. حدیث صحیح ہو۔ یعنی یہ واقعی رسول اللہ سے منسوب ہے۔ (یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں)
2. اس کے متن سے مراد رسول کا تعین ضروری ہے۔ یعنی اس حدیث کا مطلب سمجھنا ہے۔
3. اگر اس حدیث کا تعارض کسی اور حدیث سے ہے تو اس تعارض کو رفع (یعنی دور) کیا جائے۔

اور یہ تینوں کام مدلل طریقے سے ہوں ناکہ اٹکل سے۔

اس میں نمبر 1 محدثین کا کام ہے۔ نمبر2 اور 3 مجتہدین کے کام ہیں۔ اسی لیے بہت سے محدثین فقہا کے مقلد تھے۔ امام بخاریؒ علم حدیث میں اپنی جداگانہ حیثیت رکھنے کے باوجود امام شافعیؒ کے فتوے پر عمل کرتے تھے یا کبھی خود بھی اجتہاد کرلیتے تھے۔ امام مسلمؒ شافعی تھے۔ امام ابوداؤد ؒحنبلی تھے یا شافعی۔ امام نسائیؒ شافعی تھے۔ امام ترمذی ؒاور ابن ماجہؒ بھی شافعی تھے۔

حدیث کے بارے میں فقہا اور محدثین میں فرق

محدثین کے ہاں حدیث سند کو کہتے ہیں۔ یہ حضرات حدیث کی سند یعنی اس کے راویوں کے بارے میں تحقیق کے ماہر ہوتے ہیں۔ اس لیے جب وہ کسی حدیث کو صحیح کہتے ہیں تو ان کا مقصد اس کی صحتِ سند ہوتا ہے متن سے اس کو تعلق نہیں ہوتا۔ فقہا کے نزدیک حدیث متن کو کہتے ہیں۔

حدیث کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں محدثین کے جو اصول ہیں وہ اجتہادی ہیں۔ خود محدثین کے یہاں ان اصولوں میں اختلاف ہے۔ مثلا: امام بخاریؒ کا اصول یہ ہے کہ راوی جس سے روایت کرتا ہے ان دونوں کی ملاقات ثابت ہو۔ بصورت دیگر وہ روایت ان کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اس کے برخلاف امام مسلم صرف معاصرت (یعنی ایک زمانے میں ہونا) کافی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح صحت حدیث کے حوالے سے مجتہدین کے اپنے بھی اصول ہیں جو محدثین کے اصولوں سے مختلف ہیں جس کی وجہ سے وہ حدیث جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے مجتہد کے نزدیک اس سے استدلال (اس کو دلیل بنانا) ممکن ہے۔ اسی لیے اہل علم کے درمیان یہ بات معروف ہے جس حدیث سے کسی مجتہد نے استدلال کرلیا (یعنی اس کو اپنی دلیل بنایا) تو وہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ اجتہاد کا مدار صحیح حدیث پر ہی ہے۔ جس حدیث کو فقہا نے قبول کرلیا وہ صحیح ہوگئی اور جس کو چھوڑ دیا تو وہ متروک ہوگئی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ تدوین فقہ کا زمانہ تدوین حدیث سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ کوئی حدیث مجتہد تک صحیح سند سے پہنچی ہو اور محدثین تک پہنچتے پہنچتے اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف آگیا ہو جس کی وجہ سے وہ ضعیف ہوگئی ہو۔

اب ہم چند عنوانات کے ذریعے موضوع کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

صحابہ کرام اجتہاد کیا کرتے تھے

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله (الایۃ) (الحشر: 5)

(مومنو) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو (تمہارا یہ کرنا) اللہ کے حکم سے تھا

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب ایک جنگ کے دوران رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام دشمن کے کھجور کے درخت کاٹنے لگے اس دوران ان میں اختلاف رائے ہوا کہ بعض ان درختوں کاٹنا چاہتے تھے اور بعض نہیں۔ اس آیت میں دونوں رایوں کو اللہ کے حکم کے مطابق بتایا گیا۔ یعنی جو درخت رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کاٹے گئے اور وہ جو اپنی رائے سے صحابہ کرامؓ نے چھوڑ دیے دونوں اللہ کے حکم کے مطابق تھے۔ معلوم ہوا کہ کسی معاملے میں مسلمانوں کی صحیح رائے بھی اللہ ہی کے حکم کے زمرے میں آتی ہے۔ البتہ صحیح رائے قائم کرنے کے لیے بھی علم و تدبر کی ضرورت ہے۔ ہر کس و ناکس کی رائے کا اعتبار نہیں ہے۔

1.

عن طارق ان رجلا اجنب فلم يصل فاتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له فقال اصبت فاجنب رجل آخر فتيمم وصلى فاتاه فقال نحو ما قال للآخر يعني اصبت (سنن النسائی، کتاب الطھارۃ، صحیح)

طارق سے روایت ہے کہ ایک شخص کو غسل کی حاجت ہوگئی (پانی نہ ملنے کی وجہ سے غسل نہ کیا اور) اس نے نماز نہیں پڑھی اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:’’تو نے ٹھیک کیا۔‘‘پھر ایک اور شخص کو غسل کی حاجت ہوگئی اس نے تیمم کرکے نماز پڑھ لی پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے وہی ارشاد فرمایا جو پہلے شخص کو فرما چکے تھے، یعنی تو نے ٹھیک کیا۔

 فائدہ: اس حدیث سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

* اس مسئلے میں شرعی حکم نہ ہونے کی وجہ سے دونوں صحابہؓ نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔
* اس حدیث سے اجتہاد کا جواز صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر ان صحابہ کو نص (شرعی دلیل) کی اطلاع ہوتی تو پھر عمل کے بعد سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔
* ایک ہی مسئلے میں دو اجتہادی آرا کا ہونا ممکن ہے۔
* آپ ﷺ کا دونوں کی تحسین و تصویب یعنی پسند فرمانا اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔
* شرعی اجتہاد کرنے والے کو گناہ نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطا فله اجر۔ (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ)

حضرت عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جب حاکم اجتہاد کرے اور پھر حق کو پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو اپنے اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

عن عمرو بن العاص قال احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسلت ان اهلك فتيممت ثم صليت باصحابي الصبح فذكروا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال :يا عمرو صليت باصحابك وانت جنب فاخبرته بالذي منعني من الاغتسال وقلت اني سمعت الله تبارك وتعالى يقول ولا تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيما فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يقل شيئا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، صحیح)

حضرت عمروؓ بن العاص روایت کرتے ہیں کہ مجھے غزوہ ذات سلاسل کے سفر میں ایک سخت ٹھنڈی رات کو احتلام ہوگیا اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو شاید ہلاک ہوجاؤں گا چنانچہ میں نے تیمم کرلیا اور صبح کو اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔انہوں اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:‘‘اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں لوگوں نماز پڑھا دی۔‘‘میں نے وہ سبب جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا اس کی اطلاع آپ ﷺ کو کردی اور یہ (بھی) کہا کہ میں نے حق تعالی کو یہ فرماتے سنا کہ اپنی جانوں کو قتل مت کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔’’ اس بات پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔

 فائدہ: اس حدیث سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

* حضرت عمرو بن العاصؓ نے قرآن کی آیت پر غور کرکے ایک مسئلے کا حل نکالا جو اس آیت میں براہ راست موجود نہیں بلکہ ایک اصول دیا گیا ہے جس کو انہوں نے ایک حالت پر منطبق کیا یعنی اپنی حالت پر قیاس کیا۔
* یہ حدیث بھی اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔
* اہل علم صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اجتہاد کیا کرتے تھے۔
* مجتہدین بھی قرآن حدیث کو اصول بنا کر ان سے مسائل اخذ کرتے ہیں۔
1.

عن اسود بن یزید اتانا معاذ بن جبل باليمن معلما واميرا فسالناه عن رجل توفي وترك ابنته واخته فاعطى الابنة النصف والاخت النصف۔

(صحیح البخاری، کتاب الفرائض)

 اسود بن یزید سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاذؓ ہمارے پاس معلم اور امیر (یمن) بن کر آئے۔ پس ہم نے ان سے سوال کیا کہ ایک شخص فوت ہوگیا ہے اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن وارث چھوڑی ہے۔حضرت معاذؓ نے بیٹی کے لیے نصف (مال کا) اور بہن کے لیے نصف (مال کا) حکم فرمایا جب کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت حیات تھے۔

* جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ عنہ کو یمن کا حاکم و معلم بناکر بھیجا تو یقینا اہل یمن کو اجازت دی کہ ہر مسئلہ ان سے دریافت کریں۔
* اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں عام مسلمان اہل علم صحابہ کرامؓ سے فتوی دریافت کرتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ ان کے فتوؤں پر عمل بھی کیا جاتا تھا۔
* ایک فرد معین سے فتوی پوچھنا اور اس پر عمل کرنے کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے سامنے فتوی دیتے تھے جونافذ ہوتے تھے

جنگ خندق کے دوران بنی قریظہ نے مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا تھا۔ جنگ سے فراغت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا گھیراؤ کیا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مستقبل کا فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے ذمہ کیا۔ صحیح مسلم، کتاب المغازی میں آتا ہے:

فرد الحكم الى سعد

تو آپ ﷺ نے (بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ) سعد کے حوالے کردیا۔

حضرت سعد نے جو فیصلہ کیا وہ پوری طرح نافذ کیا گیا۔

صحیح بخاری، کتاب الشروط میں ایک واقعہ روایت کیا گیا ہے جس میں یہ الفاظ آتے ہیں:

فسالت اهل العلم فاخبروني (الحدیث)

پھر میں نے علم والوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا (یعنی فتوی دیا)

اسی روایت میں ہے کہ ان اصحاب علم کا وہ فتوی رسول اللہ ﷺ کے علم میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فتوی بدل دیا لیکن غیرنبی سے فتوی لینے پر کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔

 فائدہ:

* صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اجتہاد کرتے تھے جو تسلیم بھی کیے جاتے تھے۔
* رسول اللہ ﷺ ان کے اجتہادات کی اصلاح فرماتے تھے۔

تقلید شخصی

اني لا ادري ما بقائي فيكم فاقتدوا باللذين من بعدي واشار الى ابي بكر وعمر۔(سنن الترمذی، کتاب الدعوات، صحیح)

حضرت حذیفہؓ سے رویات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:’’مجھ کو نہیں معلوم کہ تم لوگوں میں کب تک (زندہ) رہوں گا سو تم لوگ ان کی اقتدا (اتباع) کرنا جو میرے بعد ہوں گے۔‘‘ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

 فائدہ:

* یعنی ہر ایک کی خلافت کے زمانے اس کی بات ماننا اور ان کا اتباع کرنا۔یعنی ایک شخص معین کی اتباع کرنے کا حکم فرمایا۔ یہی تقلیدشخصی ہے۔
* سیدنا ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ کو جمع قرآن کے کام پر مقرر فرمایا تھا۔ بعد میں سیدنا عثمانؓ نے اسی نسخے کی نقلیں کروا کر اس وقت کے اسلامی علاقوں میں بھجوائیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جمع قرآن میں امت حضرت زیدؓ کی تقلید شخصی کررہی ہے یعنی ان کی تحقیق کا پھل کھا رہی ہے۔

غیراہل علم صحابہ کا اہل علم صحابہ سے فتوی دریافت کرتے تھے

1.

عن سليمان بن يسار ان ابا ايوب الانصاري خرج حاجا حتى اذا كان بالنازية من طريق مكة اضل رواحله وانه قدم على عمر بن الخطاب يوم النحر فذكر ذلك له فقال عمر اصنع كما يصنع المعتمر ثم قد حللت فاذا ادركك الحج قابلا فاحجج واهد ما استيسر من الهدي۔(موطا مالك، كتاب الحج)

 سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ حج کے لیے نکلے جب مکہ کی راہ میں جنگل میں پہنچے تو اپنی سواریاں کھوبیٹھے اور یوم النحر (یعنی 10 ذی الحجہ جب حج ہوچکا تھا) کو پہنچے اور حضرت عمرؓ کو (اپنا) قصہ بتایا۔ آپؓ نے فرمایا: ’’جو عمرے والا کیا کرتا ہے اب تم بھی وہی کرو، پھر تمہارا احرام کھل جائے گا۔ پھر جب اگلے حج (کا زمانہ) آئے تو حج کرو اور کچھ میسر ہو (اس کی) قربانی کرو۔

 فائدہ:

* سب صحابہ اہل فتوی نہیں تھے۔
* غیرمجتہد صحابہ، مجتہد صحابہ سے فتوی لیتے تھے۔
* مجتہد صحابہ اپنے فتوں کی دلیل نہیں دیا کرتے تھے نہ ہی فتوی دریافت کرنے والے اس کو دریافت کرتے تھے۔
* مجتہد کے لیے بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنے فتووں کی دلیل دے۔
* جو شخص قرآن و حدیث کا ماہر ہو لیکن ان سے مسائل کے استنباط کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ کسی فقیہ سے پوچھ لے کہ کسی مسئلے میں شریعت کا حکم کیا ہے اور وہ جو کچھ بتادے اس پر عمل کرے۔

اہل علم اور غیراہل علم میں فرق

1.

من افتى الناس بغير علم كان اثمه على من افتاه۔(سنن ابی داؤد، حسن ، الجامع الصغیر للسیوطی ، صحیح ، مشكوة المصابيح ، حسن)

حضرت ابوہریرۃؓ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:’’جس شخص کو بے تحقیق کوئی فتوی دے تو اس کا گناہ اس فتوی دینے والے کو ہو گا۔‘‘

 فائدہ:

* اس حدیث میں فتوی دینے کے لیے علم کی شرط لگائی گئی ہے یعنی غیرعالم فتوی نہیں دے سکتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ غیراہل علم، فتوے کے لیے اہل علم سے رجوع کریں گے اور اس پر عمل کریں گے چاہے ان کو اس فتوے کی دلیل معلوم ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث میں علم کی شرط مفتی پر لگائی گئی ہے۔غیراہل علم کو تقلید یا اتباع کے علاوہ کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔ صحابہ کرام سے لے کر آج تک یہی معمول ہے کہ عامی کو جو مسئلہ پوچھنا ہوتا ہے وہ عالم سے پوچھے، عالم نے جو حکم بتایا سوال کرنے والے نے مانا اور عمل کرلیا۔ اسی کو اصطلاح میں اتباع یا تقلید کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام ہوں یا بعد کے علما، کسی نے بھی عامی کو دلیل سمجھنے کا ذمہ دار نہیں سمجھا۔ رہا دلیل کا جاننا اور سمجھنا یہ خود علم پر منحصر ہے اور غیرعالم کے لیے اس کا جاننا بلکہ کوشش بھی کرنا کارلاحاصل ہے۔ امام غزالیؒ کی نصیحت ہے کہ عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لاکر عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں اور علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں اس کو علما کے حوالے کردیں۔ عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے۔

یہاں اتنا اور سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن وحدیث سے براہ راست مسئلہ سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ایسا کرنا مجتہد مطلق ہی کا منصب ہے۔اس لیے کہ ہرشخص اس بات سے آگاہ نہیں کہ فلاں حدیث منسوخ ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ حدیث کا ظاہری معنی مقصود ہے یا نہیں یا کوئی اور حدیث اس کےمعارض ہے یا نہیں۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں:عام آدمی جب کوئی حدیث سنے تو جائز نہیں کہ وہ ظاہر حدیث سے جو سمجھا ہے اس پر عمل کرے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے ظاہری معنی مرادنہ ہوں، یا وہ حدیث منسوخ ہو، بخلاف فتوے کے، کیونکہ فتوی تحقیق کے بعد دیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ تقریبا سوا لاکھ تھے جو سب کے سب عربی دان تھے، مگر کتابوں میں چھ سات صحابہ کے فتاوی ملتے ہیں، باقی صحابہؓ انہی فتاوی پر بلامطالبہ دلیل عمل کرتے تھے اور یہی تقلید ہے۔ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ فتوی دینے والے صحابہ صرف 149 تھے جن میں سے صرف سات صحابہ بکثرت فتوی دیتے تھے، تیرہ صحابہ کبھی کبھار فتوی دیتے تھے اور 110 صحابہ نے ساری زندگی میں ایک ایک یا دو دو فتوے دئیے، باقی صحابہؓ سے ایک فتوی دینا بھی ثابت نہیں۔ اسی کتاب میں مزید فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کے فتاوی بیس جلدوں میں جمع کئے گئے تھے۔

فتوے کی دلیل بتانا ضروری نہیں ہے

عن سالم بن عبد الله عن عبد الله بن عمر انه سئل عن الرجل يكون له الدين على الرجل الى اجل فيضع عنه صاحب الحق ويعجله الآخر فكره ذلك عبد الله بن عمر ونهى عنه۔ (موطا مالك، كتاب البيوع، صحیح)

حضرت سالم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر کچھ میعادی قرض ہے (یعنی کوئی ادائیگی کا وقت مقرر ہے)۔ اب قرض خواہ کچھ قرض معاف کرنے کو راضی ہے بشرطیکہ قرض دار قبل از وعدہ قرض لوٹا دے۔انہوں (عبداللہ بن عمرؓ) نے اس کو ناپسند فرمایا۔

 فائدہ:

* حضرت عبداللہ بن عمر کا جواب ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں تھی۔

واجب بالذات اور واجب بالغیر

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من علم الرمي ثم تركه فليس منا او فقد عصى

جو شخص تیراندازی سیکھ کر چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں یا( یہ فرمایا کہ) وہ گناہگار ہوا۔

تیراندازی یا کوئی اور ہتھیار چلانا سیکھنے سے اصل مقصود تو دشمنان دین سے دین کی حفاظت ہے جو واجب ہے لیکن اس کے لیے تیراندازی (یا ہمارے دور کے ہتھیاروں کا استعمال) سیکھنا بھی واجب ہوا جس کو ترک کرنے پر اس حدیث میں وعید آئی ہے۔ یعنی واجب کو پورا کرنے کا ذریعہ بھی واجب ہوتاہے۔ اس کو یوں بھی کہتے ہیں کہ مقدمۃ الواجب بھی واجب ہوتا ہے۔

 اللہ تعالی نے اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا ہے یعنی ہم پر ان کی اطاعت واجب ہے۔ لیکن اس حکم اطاعت کو پورا کرنے کے لیے ہمیں احادیث کے مجموعوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ احادیث کے مجموعوں کی طرف رجوع کرنا بھی واجب ہوا (حاشیہ: [[11]](#footnote-11))۔ اطاعت رسول ﷺ واجب بالذات ہے۔ جب کہ احادیث کے مجموعوں کی طرف رجوع کرنا واجب بالغیر ہے۔ اسی طرح حدیث کا علم ہے جو واجب الذات ہے۔ پھر خود حدیث کی صحت مقرر کرنے کے لیے سند کی تحقیق بھی ضروری ہے۔ لیکن اس کی سند کی تحقیق واجب بالغیر ہے۔ واجب بالذات کے لیے دلیل کی ضرورت پڑتی ہے، واجب بالغیر کے لیے نص (دلیل) کی ضرورت نہیں ہوتی صرف علمائے کرام کا اتفاق درکار ہوتا ہے۔

ایک اور مثال یہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب بالذات ہے اس پر نص (حدیث) موجود ہے، لیکن عام لوگ اس کو بغیر اعراب کے صحیح نہیں پڑھ سکتے چنانچہ اس کوصحیح پڑھنے کے لیے اس پر اعراب لگانا واجب بالغیر ہے۔ چنانچہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت واجب بالذات ہے جو واجب بالغیر (اعراب) کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح تقلید بھی ہے کہ دین پر عمل کرنا واجب بالذات ہے لیکن یہ عمل بھی واجب بالغیر یعنی فقہائے امت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ فقہائے امت ہی حدیث کی مراد سمجھنے کے لیے واسطہ ہیں اس لیے ہمیں فقہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں فقہا کی تقلید کرنی پڑتی ہے۔ یہ اسی طرح کی تقلید ہے جس طرح سند کی صحت کے لیے ہم محدثین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ گو اس کو اصطلاحی پر تقلید نہ کہا جائے لیکن عملا تو یہی ہے۔

تقلید

تقلید ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: تسلیم القول بلادلیل یعنی کسی عالم کی بات کو دلیل کے مطالبے کے بغیر مان لینا تقلید ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں کسی عالم کا قول اس حسن ظن پر قبول کرلینا کہ وہ جو بتارہا ہے وہ حق ہے اور دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔

 اس کا تعلق اجتہادی مسائل سے ہے۔ جو خود اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو اس کو مجتہد کہتے ہیں اور خود اجتہاد نہ کرسکے اور مجتہد کی تقلید کرے اس کو مقلد کہتے ہیں۔اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت ہے:

فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون (النحل: 43)

اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر (علم والے) سے پوچھ لو

گو تقلید کا تعلق فقہی مسائل ہے لیکن روح تقلید تو ہر فن میں جاری ہے۔ علم کی دنیا میں یہ عام ہے۔ مثلا، صحت حدیث کے بارے میں امام بخاریؒ کا قول ان کا علمی اجتہاد ہے اور ان کے اجتہاد کو تسلیم کرنا ان کی تقلید یا اتباع ہے۔ اسی طرح فقہائے کرام نے شرعی مسائل کے حل کے سلسلے میں اجتہادات کیے ہیں۔ ان کے اجتہادات کو تسلیم کرنا ان کی تقلید یا اتباع ہے۔ یہی حال تمام دینی علوم کا ہے۔ فہم لغت (عربی) کے لیے اہل لغت اور اہل صرف و نحو و کی تحقیق کو مانا جاتا ہے یہ اس علم میں ان کی تقلید ہے۔ یا مثلا تفسیر میں ابن کثیر ؒکی رائے کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس میدان میں ان کی رائے کو ماننا یہ ان کی تقلید ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد فرمایا، اس حکمنامے میں نہ آیت سے دلیل بیان کی نہ حدیث سے، محض اپنی رائے یعنی اجتہاد سے ایسا کیا۔ تمام صحابہ نے ابوبکرؓ کی رائے کی تقلید میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔ تلاوت قرآن میں بھی ہر مسلمان تقلید ہی کرتا ہے کیونکہ نہ وہ اعراب سے واقف ہے نہ اوقاف کے دلائل سے واقف ہے۔ صرف اس حسن ظن پر وہ قبول کرتا ہے کہ لگانے والے نے بادلیل لگائے ہیں۔ دلیل سے آگہی نہیں ہے۔ اس کے باجود اس کی تلاوت باعث اجر اور مقبول ہے۔

ایک حدیث سے مختلف معنی مراد ہوسکتے ہیں

1.

عن عبد الله قال نادى فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم انصرف عن الاحزاب ان لا يصلين احد الظهر الا في بني قريظة فتخوف ناس فوت الوقت فصلوا دون بني قريظة وقال آخرون لا نصلي الا حيث امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وان فاتنا الوقت قال فما عنف واحدا من الفريقين۔ (صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق کے دن میں صحابہؓ سے فرمایا کہ عصر کی نما بنی قریظہ (کی بستی) میں پہنچنے سے پہلے کوئی نہ پڑھے۔ لیکن صحابہ( کو تاخیر ہوگئی اور) عصر کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہوگیا اس پر بعض صحابہ ؓ نے بنی قریظہ پہنچے سے پہلے ہی نماز پڑھ ڈالی اور بعض دوسروں نے کہا کہ نے کہا ہم نماز نہیں پڑھیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق (بنی قریظہ) نہ پہنچ جائیں چاہے وقت ختم ہوجائے، (پھر یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئی تو) آپ ﷺ نے کسی پر بھی ملامت نہیں کی۔

 فائدہ:

* بعض حدیثوں کا مفہوم ایک سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔
* بعض صحابہ ؓالفاظ کے ساتھ مراد حدیث پر بھی غور کرتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔
* بعض دیگر صحابہ کرام ؓحدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے تھے۔
* حدیث صرف سند کا نام نہیں بلکہ متن بھی اس میں شامل ہے۔ سند کے صحیح ثابت ہونے کے بعد حدیث کے متن کا معنی یعنی مراد کا متعین کرنا بھی ضروری ہے۔
* مراد رسول ﷺ سمجھ کر اس پر عمل کرنا ترک حدیث نہیں ہے۔
* مجتہدین نے بھی اپنی اجتہادی صلاحیتوں کے ذریعے مراد رسول ﷺ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔
* جن صحابہ نے نماز پڑھی انہوں نے ’’نماز اپنے وقت پر ادا کرو‘‘ کے قرآنی قاعدے پر عمل کیا جب کہ جنہوں نے نماز قضا پڑھی ان کے فہم کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے حکم کے سبب آج کی نماز اس قاعدے سے مستثنی تھی۔
* یہ فرق مجتہدین کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔کوئی ایک قاعدے کی بنیاد پر فتوی دیتا ہے اور دوسرا مجتہد کسی اور قاعدے کی بنیاد پر فتوی دیتا ہے۔

ایک ہی صورتحال میں فتوے مختلف ہوسکتے ہیں

عن ابي هريرة ان رجلا سال النبي صلى الله عليه وسلم عن المباشرة للصائم فرخص له واتاه آخر فساله فنهاه فاذا الذي رخص له شيخ والذي نهاه شاب۔ (مشکوۃ المصابیح، صحیح ، سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، حسن)

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے روزہ دار کے بیوی سے چمٹ کر سونے کے متعلق پوچھا، آپ نے اس کو اس کی اجازت دی، اور ایک دوسرا شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے بھی اسی سلسلہ میں آپ سے پوچھا تو اس کو منع کر دیا، جس کو آپ ﷺ نے اجازت دی تھی ، وہ بوڑھا تھا اور جسے منع فرمایا تھا وہ جوان تھا۔

عن ابي سعيد الخدري قال خرج رجلان في سفر فحضرت الصلاة وليس معهما ماء فتيمما صعيدا طيبا فصليا ثم وجدا الماء في الوقت فاعاد احدهما الصلاة والوضوء ولم يعد الآخر ثم اتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرا ذلك له فقال للذي لم يعد اصبت السنة واجزاتك صلاتك وقال للذي توضاواعاد لك الاجر مرتين۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، صحیح)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو شخص ایک سفر میں نکلے تو نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور نماز پڑھی، پھر وقت کے اندر ہی انہیں پانی مل گیا تو ان میں سے ایک نے نماز اور وضو دونوں کو دوہرایا، اور دوسرے نے نہیں دوہرایا، پھر دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ان دونوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی : ’’ تم نے سنت کو پا لیا اور تمہاری نماز تمہیں کافی ہو گئی ‘‘، اور جس شخص نے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی تھی اس سے فرمایا:’’ تمہارے لیے دوگنا ثواب ہے۔‘‘

صرف الفاظ ہی مراد نہیں ہوتے

صحیح مسلم، کتاب الحدود میں ابو عبدالرحمان السلمی کی روایت کا مفہوم ہے کہ حضرت علی ؓنے خطبے میں یہ ذکر کیا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک بدکار لونڈی کو درے مارنے کا حکم فرمایا تھا۔ جب وہ اس حکم کو پورا کرنے کے لیے اس لونڈی کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریب ہی اس کے یہاں ولادت ہوئی ہے جس پر حضرت علیؓ نے اس اندیشے کی بنیاد پر کہ اس کو درے مارنے پر وہ جان ہی سے نہ چلی جائے اس کو درے نہ لگائے اور جاکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا:

احسنت بہت اچھا کیا۔

 فائدہ:

* آپ ﷺ کے حکم میں صحت یا عدم صحت کی کوئی قید نہ تھی لیکن حضرت علیؓ نے اپنی اجتہادی صلاحیت کی بنا پر اس حکم کو قدرت تحمل (برداشت) سے مقید سمجھا اور اس پر عمل کیا جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف فرمائی۔
* صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے حکموں پر غور و فکر کرتے اور ان کی مراد سمجھ کر عمل کرتے تھے۔
* مجتہد بھی کسی حدیث کو کسی شرط سے مقید سمجھ کر اس پر عمل کو موقوف (ترک) کرسکتا ہے۔

عن معاذ بن جبل قال كنت رديف رسول الله صلى الله عليه وسلم على حمار يقال له عفير فقال يا معاذ هل تدري ما حق الله على العباد ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئا وحقهم على الله ان لا يعذب من لا يشرك به قال فقلت يا رسول الله افلا ابشر الناس قال لا تبشرهم فيتكلوا۔

(صحیح البخاری، كتاب الجهاد والسير)

حضرت معاذؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جس گدھے پر سوار تھے ، میں اس پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس گدھے کا نام عفیر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالی کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے ؟ اور بندوں کا حق اللہ تعالی پر کیا ہے ؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا حق اپنے بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ تعالی پر یہ ہے کہ جو بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اللہ اسے عذاب نہ دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ! کیا میں اس کی لوگوں کو بشارت نہ دے دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگوں کو اس کی بشارت نہ دو ورنہ وہ خالی اعتماد کر بیٹھیں گے۔

 فائدہ:

* اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو اطلاع نہ دینے کی ہدایت فرمائی تھی لیکن حضرت معاذؓ نے اپنی اجتہادی صلاحیت سے یہ سمجھاکہ یہ ہدایت اطلاع دینے کو مانع نہیں یعنی یہ ہدایت روایت بیان کرنے سے نہیں روکتی۔ ورنہ صحابیؓ پر مخالفت رسول ﷺ کا الزام آئے گا۔
* مجتہد صحابہ کرامؓ احکام کی علتوں اور دین کی دیگر نصوص پر غور کرکے اجتہاد کے ذریعے سے مراد رسول ﷺ کو پانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہاں حضرت معاذؓ نے کتمان علم (علم چھپانے کی وعید)کی حدیث کو سامنے رکھا اور اس بات کی اطلاع دے دی۔
* اگر مجتہد کسی علت کی وجہ سے حدیث پر نہ عمل کرنے کا حکم لگائے (جیسا کہ حضرت معاذؓ نے کیا) تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کو ترک حدیث نہیں کہا جائے گا۔

عن ابي هريرة ان سعد بن عبادة الانصاري قال يا رسول الله ارايت الرجل يجد مع امراته رجلا ايقتله قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا قال سعد بلى والذي اكرمك بالحق فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسمعوا الى ما يقول سيدكم۔ (صحیح مسلم، کتاب اللعان)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے سعد بن عبادہ نے عرض کیا: ’’یارسول اللہ ﷺ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کردے؟‘‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’نہیں۔‘‘ سعدؓ بولے:’’کیوں نہ قتل کرے قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو دین حق کے ساتھ مشرف فرمایا میں تو تلوار سے فورا اس کا کام تمام کردوں گا۔‘‘ رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا: ’’سنو! تمہارا سردار کیا کہتا ہے۔‘‘

 فائدہ:

* بظاہر حضرت سعدؓ نے حدیث کا انکار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قتل نہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں لیکن حضرت سعدؓ اس پر اصرار کررہے ہیں۔ انؓ کے انکار کے باوجود رسول اللہ ﷺ ’سردار‘ کہہ کر ان کی تعریف فرما رہے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت سعدؓ رسول ﷺ کے ارشاد کا مطلب کچھ اور سمجھے اور آپ ﷺ کا ان کو سردار کہہ تعریف فرمانا اس کی تائید تھی۔
* مجتہد اگر اپنی اجتہادی قوت سے حدیث کے کسی دقیق (گہرے) مفہوم کو سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرے اور ظاہری مفہوم کو اختیار نہ کرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔
* یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی مجتہد کا اجتہاد ظاہر حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے تو اس بات کا امکان ہے کہ اس حدیث کے بیک وقت کئی معانی نکلتے ہوں اور اس نے ان مختلف معانی میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیا ہے۔ اس کی مثال بنوقریظہ والی حدیث ہے (‏حدیث 24، ص 26)۔ یا وہ کسی اور حدیث کو اس حدیث کے مقابلے میں راجح (زیادہ ترجیح دینا) سمجھتا ہے جس کی وجہ سے اس نے اس حدیث کو ترک کردیا ہے۔

مجتہد

مجتہد اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن و سنت سے مسائل کو اخذ کرسکے یعنی مسائل کا حل ڈھونڈ سکے۔ مجتہد کی مثال ماہر قانون کی سی ہے جو قانون بنانے والا نہیں ہوتا بلکہ قانون کا شارح یعنی شرح کرنے والا ہوتا ہے۔ عام آدمی کو جب ضرورت پڑتی ہے تو اس سے پوچھ کر عمل کرتا ہے۔ مجتہد وہ عالم ہوتا ہے جس کو پانچ طرح کے علوم پر عبور ہوتا ہے۔ اول کتاب اللہ، یعنی قرآن مجید کا علم، دوم سنت رسول ﷺ کا علم، سوم علمائے سلف کے اقوال کا علم کہ ان کا اتفاق کس قول پر ہے اور اختلاف کس قول میں ہے۔ چہارم لغت عربی کا علم، پنجم قیاس کا علم۔ قیاس جو قرآن و حدیث سے حکم نکالنے کا طریقہ ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس کو پانچ لاکھ حدیثیں یاد ہوں ( سند و متن سے پوری طرح آگاہ ہو) اور صحابہ اور تابعین کے فتاوی میں بصیرت تامہ رکھتا ہو تب وہ اجتہاد کرسکتا ہے، یعنی مکمل علم، رکھتا ہو تو وہ اجتہاد کرسکتا ہے۔ یہ ہے وہ معیار جس کا حامل شخص ہی مجتہدین فقہا کی رائے پر کوئی بات کرسکتا ہے جو اس درجہ علمیت کا حامل نہ ہو تو ایسے کسی شخص کا کسی مجتہد کے اجتہاد کومخالف حدیث کہہ دینا بڑی جرات کی بات ہے۔ آج کل پانچ لاکھ حدیثیں یاد ہونا تو بڑی بات ہے، ایسا عالم جس کو صحیح بخاری سند و متن کے ساتھ یاد ہو ڈھونڈے نہیں ملتا جب کہ صحیح بخاری میں صرف 7275 احادیث ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف فن کے ماہر کی تحقیق ہی مانی جائے گی۔ چنانچہ حدیث کے لیے علم حدیث کے ماہر اور فقہ کے لیے فقہ کے ماہر۔ اور جو ایسا نہ کرے وہ دین و دنیا دونوں میں نقصان اٹھائے گا۔ رسول اللہ ﷺ جب بیعت لیتے تو اس میں ایک عہد یہ بھی لیتے تھے کہ ان لا ننازع الامر اھلہ یعنی اہل امر (حکام و علما) سے منازعت (حجت بازی) نہیں کریں گے۔

یہاں اتنا اور جان لیجیے کہ کسی مجتہد کا قول کسی حدیث کے مخالف ثابت کرنے کے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

1. اس مسئلہ کی صحیح مراد معلوم ہو یعنی ہمیں معلوم ہو کہ مجتہد کے اس قول سے اس کی کیا مراد ہے۔ دوسرے لفظوں میں فقہ کے مسئلے کو پورا اور صحیح سمجھنا۔
2. اس کی دلیل پر اطلاع ہو۔ یعنی ہمیں معلوم ہو کہ مجتہد نے کس آیت یا حدیث کی بنیاد پر اس قول کو اختیار کیا ہے۔
3. اس کا طریقہ استدلال معلوم ہو۔ یعنی وہ اس نتیجے پر کس طور پہنچا ہے۔ اس لیے کہ بعض اوقات وہ مختلف آیات و احادیث کو سامنے رکھ کر ایک نتیجے پر پہنچتا ہے۔ جس طرح ایک ماہر ڈاکٹر کسی مرض کی تشخیص کرتا ہے تو مختلف علامتوں پر غور کرتا ہوا ایک نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اب اگر کوئی نااہل اس سے دریافت کرے کہ وہ اس نتیجے پر کیسے پہنچا تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ اس چیز کو سمجھنا کسی ڈاکٹر کا کام ہے۔ اسی طرح مجتہد کسی نتیجے پر کیسے پہنچا یہ سمجھنا اہل علم کا کام ہے۔ اور غیراہل علم کو سمجھانا ناممکن سی بات ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کسی مجتہد کی رائے پر اعتراض کرنا ایسے شخص کا کام ہے جو خود بہت بڑا عالم ہو، روایات اور درایت (فہم حدیث) کا ماہر ہو۔

اجتہاد کے لیے صرف قرآن و حدیث کا علم کافی نہیں

خرجنا في سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجه في راسه فاحتلم فسال اصحابه هل تجدون لي رخصة في التيمم قالوا ما نجد لك رخصة وانت تقدر على الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا على النبي صلى الله عليه وسلم اخبر بذلك قال قتلوه قتلهم الله الا سالوا اذا لم يعلموا فانما شفاء العي السؤال انما كان يكفيه ان يتيمم ويعصب على جرحه خرقة ثم يمسح عليها ويغسل سائر جسده۔ (سنن ابی داؤد، حسن)

حضرت ابن عباسؓ سے رویات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص زخمی ہوگیا اس کے بعد اس کو احتلام ہوگیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کو غسل کا حکم کیا اس نے غسل کیا (جس کی وجہ سے زخم خراب ہوگیا) اور وہ شخص فوت ہوگیا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ان لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اللہ ان کو قتل کرے کیا لاعلمی کا علاج پوچھ لینا نہیں ہے؟ اس کو تو یہ کافی تھا کہ تیمم کرلیتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کرلیتا اور باقی بدن کو دھو ڈالتا۔‘‘

 فائدہ:

* رسول اللہ ﷺ نے نصوص پر غور کرنے کی تعلیم فرمائی یا اگر ناواقف ہے تو پوچھ لینا چاہیے۔
* رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ وہ صحابہ فتوی دینے کے اہل نہیں تھے جس کے نتیجے میں ایک جان ضائع ہوگئی۔
* یہ خطائے اجتہادی نہیں بلکہ نااہل کا فتوی دینے کا معاملہ ہے۔کیونکہ اجتہادی خطا پر اجر کی بشارت تو خود آپ ﷺ نے دی ہے۔
* انہوں نے آیت قرآنی وان کنتم جنبا فاطھروا کو سامنے رکھتے ہوئے فتوی دیا جب کہ و ان کنتم مرضی کی اصل غایت (مفہوم) ان کی نگاہ سے اوجھل رہی۔
* نصوص پر غور و فکر کرکے مسئلہ نکالنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔
* نااہل کا اجتہاد کرنا کسی حال میں جائز نہیں چاہے اس کا اجتہاد صحیح بھی ہوجائے۔
* جو شخص خود ہی مطالعہ کرکے اپنے مسئلے کے حل ڈھونڈے وہ دراصل اجتہاد کا دعوی کررہا ہے۔
* قرآن و حدیث کا علم ہونا اور بات ہے اجتہاد کی صلاحیت ہونا اور بات ہے۔ (دیکھیے ‏حدیث 8 ص 16)

فتوی وقت کے تقاضے کو دیکھ کر دیا جاتا ہے

عن بسر بن ارطاة قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول لا تقطع الايدي في الغزو۔ (سنن الترمذی کتاب الحدود، صحیح)

حضرت بسرؓ بتاتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے:’’جنگ (کی حالت) میں (چوروں) کے ہاتھ مت کاٹو۔

 فائدہ:

* فتوی وقت کے تقاضے کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے۔
* سیدنا عمرؓ نے قحط سالی کے زمانے میں چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا روک دی تھی۔

لا يقطع في عذق ولا عام السنة (مصنف عبدالرزاق)

فتوی مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے

زيد بن ثابت رضي الله عنه قال ارسل الي ابو بكر مقتل اهل اليمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابو بكر رضي الله عنه ان عمر اتاني فقال ان القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن واني اخشى ان يستحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القرآن واني ارى ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عمر هذا والله خير فلم يزل عمر يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك ورايت في ذلك الذي راى عمر(الحدیث) (صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن)

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جنگ یمامہ میں حضرت ابوبکرؓ نے مجھے بلا بھیجا وہاں جاکر دیکھتا ہوں کہ عمرؓ بھی موجود ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ عمرؓ میرے پاس یہ مشورہ لے کر آئے ہیں کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ صحابی شہید ہوگئے ہیں اور مجھے (عمرؓ کو) اندیشہ ہے کہ اگر اسی طرح مختلف معرکوں میں حفاظ صحابہ شہید ہوتے رہے تو قرآن کا ایک بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا اس لیے میری (عمرؓ کی) رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو ایک جگہ (تحریری طور پر) جمع کرنے کا حکم فرمادیں۔ میں نے عمرؓ کو جواب دیا ہے کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کس طرح کروں؟ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم اس کام (میں) خیر ہی خیر ہے اور بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرے دل کو بھی اسی بات پر اطمینان حاصل ہوگیا جس بات پر عمر کو اطمینان حاصل تھا۔

 فائدہ:

* حضرت ابوبکرؓ کو ابتدا میں حضرت عمرؓ کے مشورے پر عمل کرنے پر تردد تھا۔ بلکہ وہ اس کام کو بدعت میں داخل سمجھ رہے تھے۔ انؓ کے الفاظ تھے:

’’میں نے عمرؓ کو جواب دیا ہے کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کس طرح کروں؟‘‘

 لیکن حفاظت دین جو اولی الامر (حاکم) کا کام ہے کی ضرورت نے ان کو اس کام کے ٹھیک ہونے پر اطمینان بخشا اور یہ کہ یہ عمل بدعت نہیں ہے۔

* مجتہد بھی اپنے اجتہاد میں مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھتا ہے اور جو چیز ا ن کے حصول میں معاون نظر آئے گی اس کو اختیار کرنے کا حکم دے گا۔

تلقی بالقبول

اسلام میں عملی مسائل کا اصل دارومدار تعامل امت پر ہے۔ جس حدیث پر امت بلانکیر عمل کرتی چلی آرہی ہو اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جس حدیث پر پوری امت نے عمل ترک کردیا ہو اس کی سند خواہ کتنی ہی صحیح ہو وہ معلول قرار پاتی ہے۔ جیسے الماء طھور لاینجسہ شئی الا ماغلب علی ریحہ او طعمہ او لونہ یعنی پانی پاک ہے جب تک اس کی بو، ذائقہ اور رنگ نہ بدل جائے، ضعیف ہے لیکن اس کو علما نے قبول کیا ہے اور اس پر امت میں ہمیشہ سے عمل رہا ہے۔ اسی لیے محدثین کا اصول ہے کہ جس حدیث کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہوتو وہ حدیث صحیح ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کو امت کے علما اور صلحا نے قبول کرلیا اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا ان کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ جیسے قرآن کا ایک مصحف میں جمع کرنے کی کوئی روایت نہیں البتہ صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اور امت نے اس کو قبول کرلیا۔ تلقی بالقبول کی مثال صحیح بخاری کی مقبولیت ہے جس کی صحت کی بنیاد پر اس کو اصح الکتاب بعد الکتاب (قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب) کہا جاتا ہے۔ اس پر بدعات جائز نہیں ہوجاتیں کیونکہ وہاں قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

تقلید کی مثالیں

تقلید کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کا قول اس حسن ظن پر قبول کرلینا کہ وہ جو بتارہا ہے وہ حق ہے اور دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔

اس تعریف کو سامنے رکھیے تو پتہ چلے گا کہ شرعی علوم میں تقلید کے بغیر گزارا ہی نہیں ہے۔ گو معروف فقہی تقلید نہ صحیح لیکن عملا یہ سب تقلیدہی ہے۔

* لغت میں ائمہ صرف ائمہ نحو کی تقلید کی جاتی ہے۔
* راویوں کو ضعیف اور ثقہ کہنے میں علمائے اسما الرجال کی تقلید کی جاتی ہے۔
* راویوں کی پیدائش رہائش وموت میں تاریخ دانوں کی تقلید کی جاتی ہے۔
* حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں محدثین کی تقلید کی جاتی ہے۔
* تلاوت قرآن میں بھی ہر مسلمان تقلید ہی کرتا ہے کیونکہ نہ وہ اعراب سے واقف ہے نہ اوقاف کے دلائل سے واقف ہے۔ صرف اس حسن ظن پر وہ قبول کرتا ہے کہ لگانے والے نے بادلیل لگائے ہیں۔ دلیل سے آگہی نہیں ہے۔ اس کے باجود اس کی تلاوت باعث اجر اور مقبول ہے۔
* ایمانیات میں تو سارے کے سارے مسلمان تقلیدی ہیں جو کچھ علمائے کرام نے انہیں بتادیا انہی باتوں پر ان کا ایمان ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص مسلمان تو ہے لیکن اسلام کے حق ہونے کے تفصیلی دلائل اسے نہیں معلوم۔ اس کے باوجود وہ مسلمان ہے۔

حسن ظن

تقلید کی جو تعریف کی گئی ہے وہ یہ ہے:

’’کسی کا قول اس حسن ظن پر قبول کرلینا کہ وہ جو بتارہا ہے وہ حق ہے اور دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔‘‘ ہمارے علوم کا مدار پچھلوں کی ثابت شدہ تحقیق پر ہوتا ہے۔ اس میں بتانے والے کی علمیت پر حسن ظن قائم ہوتا ہےکہ وہ صحیح بتائے گا۔جس طرح محدثین اور خاص طور پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اور صحاح کے مؤلفین کی تحقیق پر اعتماد اس حسن ظن پر قائم ہے کہ انہوں حدیث کی صحت کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کی بنیاد کسی دلیل پر ہے (حاشیہ: [[12]](#footnote-12))۔ اسی طرح مجتہدین کے متعلق بھی یہی حسن ظن ہے کہ انہوں کسی مسئلے میں جو فیصلہ فرمایا ہے اس کی بنیاد کسی دلیل پر ہے۔

عن ابن عمر قال قال عمر اني ان لا استخلف فان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يستخلف وان استخلف فان ابا بكر قد استخلف (الحدیث)

 (سنن ابی داؤود كتاب الخراج والامارة والفيء، صحیح)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا : اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد نہ کروں ( تو کوئی حرج نہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں (تو بھی کوئی حرج نہیں) کیونکہ ابوبکرؓ نے خلیفہ مقرر کیا تھا۔

* سیدنا ابوبکرؓ نے جب خلافت کے لیے سیدناؓ کو نامزد کیا تھا تب اس نامزدگی کی کوئی دلیل نہیں پیش کی تھی۔ اس کے باوجود سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابوبکرؓ پر اپنے حسن ظن کا اظہار کیا ہے اور ابوبکرؓ کے عمل کو رسول اللہ ﷺ کے عمل کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے اور دونوں میں سے کسی کے عمل اختیار کرنے کو برابر کا درجہ دیا۔

عن ابن عباس اذا حدثنا ثقة بفتيا عن علي لم نتجاوزها (فتح الباري لابن حجر العسقلاني، صحیح)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب کوئی ثقہ (قابل بھروسہ) آدمی ہم سے حضرت علیؓ کا فتوی بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی پس و پیش نہیں کریں گے۔

* سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ پر اپنے حسن ظن کا اظہار فرمایا۔

اتباع کی قسمیں

اللہ کا اتباع

اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اولياء (اعراف: 3)

(لوگو) جو (کتاب) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے (من گھڑت) سرپرستوں کے پیچھے نہ چلو

رسول کا اتباع

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم (آل عمران: 31)

تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے تمہارے گناہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جماعت کا اتباع

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا (النساء: 115)

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستے کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس اسی کی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔

یہ آیت اجماع امت پر عمل کرنے کی دلیل ہے۔

مجتہد کا اتباع

واتبع سبيل من اناب الي (لقمان: 15)

راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف

سنت رسول ﷺ، سنت صحابہؓ

حضرت عرباضؓ سے ایک روایت ہےجس میں آپ ﷺ کی وصیت ہے کہ میرے بعد بہت سے اختلافات پیدا ہوں گے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ (سنن ابن ماجہ کتاب المقدمات، صحیح)

تم پر لاز م ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت جو ہدایت یافتہ ہیں ان (یعنی میری اور ان کی سنت) کو اپنی داڑھوں مضبوط پکڑنا۔

حضرت علیؓ کی ایک روایت ہےکہ:

جلد النبي صلى الله عليه وسلم اربعين وابو بكر اربعين وعمر ثمانين وكل سنة وهذا احب الي (الحدیث) (صحیح مسلم کتاب الحدود)

رسول اللہ ﷺ نے (شرابی کو) چالیس (کوڑے) لگوائے اور ابوبکرؓ نے بھی چالیس (کوڑے لگوائے) اور عمرؓ نے اسی (کوڑے لگوائے) اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے اور مجھے یہ (یعنی اسّی کوڑے) زیادہ پسند ہیں۔

 فائدہ:

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کے فیصلے سنت کا درجہ رکھتے ہیں۔

عن ابي وائل قال جلست مع شيبة على الكرسي في الكعبة فقال لقد جلس هذا المجلس عمر رضي الله عنه فقال لقد هممت ان لا ادع فيها صفراء ولا بيضاء الا قسمته قلت ان صاحبيك لم يفعلا قال هما المرءان اقتدي بهما۔ (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالسنۃ)

ابووائل نے بیان کیا کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تو شیبہ نے فرمایا کہ اسی جگہ بیٹھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے (ایک مرتبہ) فرمایا کہ میرا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ کعبہ کے اندر جتنا سونا چاندی ہے اسے نہ چھوڑوں (جسے زمانہ جاہلیت میں کفار نے جمع کیا تھا) بلکہ سب کو نکال کر (مسلمانوں میں) تقسیم کر دوں۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے ساتھیوں (رسول اللہ ﷺاور ابوبکرؓ) نے تو ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں بھی انہیں کی پیروی کر رہا ہوں (اسی لیے میں اس کے ہاتھ نہیں لگاتا)۔

* سیدنا عمرؓ نے اپنے عمل کی بنیاد رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کے عمل پر رکھی یعنی ابوبکرؓ کا فیصلہ بھی رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی طرح نافذ ہوسکتا ہے۔

حدیث اور سنت میں فرق

حدیث اور سنت دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں جو عربی زبان میں اپنے لغوی معنی ہی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ حدیث کے معنی بات، قول، اور کلام کے ہیں اور یہ لغت میں جدید یعنی نئی چیز کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جب کہ سنت کے معنی پٹے (استعمال) ہوئے راستے، عام طریقے اور جاری و ساری عمل کے ہیں۔ البتہ اتنا پیش نظر رہے کہ لغوی اور اصطلاحی طور پر دو مختلف الفاظ ہونے کے باجود حدیث اور سنت دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہیں۔ حدیث اور سنت میں جو تعلق ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

1. کبھی حدیث اور سنت الگ الگ ہوتی ہیں یعنی ایک چیز حدیث تو ہوتی ہے لیکن وہ سنت کا درجہ نہیں پاتی۔
2. کبھی دونوں جمع ہو جاتے ہیں کہ جو حدیث ہوتی ہے وہ سنت بھی ہوتی ہے۔
3. کبھی سنت الگ ہو جاتی ہے لیکن وہ حدیث نہیں ہوتی۔

ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حدیث اور سنت کے اصطلاحی معنی

### حدیث کے اصطلاحی معنی

1. رسول اللہ پاک ﷺ نے زندگی میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب حدیث ہے۔
2. رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں جو بھی کام کیا ہے وہ حدیث ہے۔
3. رسول اللہ ﷺ نے جن باتوں کو برقرار رکھا ہے وہ بھی حدیث ہے۔ یعنی کسی مسلمان نے کوئی کام کیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھا، یا وہ آپ ﷺ کے علم میں آیا اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کو برقرار رکھا، اس کی تائید فرمائی تو یہ بھی حدیث ہے۔
4. رسول اللہ پاک ﷺ کی صفات یعنی ذاتی حالات بھی حدیث ہیں۔

ان چاروں معنوں میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ منسوب ہے وہ حدیث ہے۔ لیکن کسی بات کا حدیث ہونا ایک بات ہے اور اس کا سنت ہونا دوسری بات ہے۔

عن ابي الطفيل، قال قلت لابن عباس يزعم قومك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد رمل بالبيت وان ذلك سنة ‏ قال صدقوا و كذبوا ‏ قلت وما صدقوا وما كذبوا قال صدقوا قد رمل رسول الله صلى الله عليه وسلم و كذبوا ليس بسنة۔

(سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب فی الرمل، صحیح)

ابوطفیل کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا: ’’آپ کی قوم سمجھتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے طواف میں رمل کیا اور یہ سنت ہے۔‘‘ انہوں نے کہا: ’’لوگوں نے سچ کہا اور غلط بھی۔‘‘ میں نے دریافت کیا: ’’لوگوں نے کیا سچ کہا اور کیا غلط؟‘‘ فرمایا: ’’انہوں نے یہ سچ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمل کیا لیکن یہ غلط کہا کہ رمل سنت ہے۔‘‘

اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ طواف کے دوران میں رمل کرنے کی حدیث تو ہے، مگر یہ سنت نہیں ہے۔ یعنی ہر سنت حدیث ہے، مگر ہر حدیث سنت نہیں۔

درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں جو جو واقعات پیش آئے وہ قلمبند کرلیے گئے انہی کو حدیث کہا جاتاہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ واقعات کس صورتحال میں پیش آئے ہر چیز کو قلمبند کرلیا گیا۔ واقعات کے اس ذخیرے میں سے امت کے لیے جو راہ عمل متعین کی جائے گی اس کو سنت کہا جاتا ہے۔

حدیث میں ان کے علاوہ بھی مضامین شامل ہیں جن کا اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثلا: قریش کے دور جاہلیت کے اعمال و تصورات کا بیان، پچھلی امتوں کے حالات ، مستقبل کی عمومی پیشین گوئیاں، نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد آپ ﷺ کی سوانح حیات کی روایات وغیرہ۔ اسی بات کو اجاگر کرنے کے لیے امام بخاری نے اپنے مجموعہ حدیث کا نام، جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے، الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وايامه رکھا۔ سننہ و ایامہ کا مطلب ہے آپ ﷺ کی سنتیں اور آپ ﷺ سے متعلق تاریخی پہلو۔

امت سنت پر عمل کرے گی

سنن ترمذی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک بلیغ خطبہ دیا جس کے انداز سے جاننے والے سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کا وقت قریب ہے، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے وصیت کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں اور وصیتیں فرمائیں وہیں یہ بھی فرمایا:

و سترون من بعدي اختلافا شديدا فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ (سنن ابن ماجہ، صحیح)

ترجمہ: تم لوگ میرے بعد بہت شدید اختلافات دیکھو گے پس تم لوگوں پر لازم ہے کہ تم میری سنت کو اورخلفائے راشدین و مہدیین (ہدایت یافتہ) کی سنت کو لازم پکڑنا اور ان کو اپنے اپنی داڑھوں سے پکڑلینا (یعنی مضبوطی سے تھام لینا)

یعنی امت کو سنت پر عمل کا پابند کیا گیا ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔

اصوم و افطر واصلي وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني (صحیح البخاری، باب الترغيب في النكاح)

ترجمہ: میں روزے رکھتا اور چھوڑتا بھی ہوں، تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کیے ہیں، جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے طریقہ کو سنت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ سنت اس لیے ہے کہ امت کے لیے نمونہ ہو اور وہ اسے سند سمجھیں، جو آپ ﷺ کے طریقے سے منہ پھیرے اور اسے اپنے لیے سند نہ سمجھے وہ آپ کی جماعت میں سے نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال بن حارثؓ کو فرمایا:

من احيا سنة من سنتي قد اميتت بعدي فان له من الاجر مثل من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيئا ومن ابتدع بدعة ضلالة لا ترضي الله و رسوله كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلك من اوزار الناس شيئا

(ترمذی، باب ما جاء في الاخذ بالسنة و اجتناب البدع، حسن)

ترجمہ: جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد چھوڑ دی گئی ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جس نے کوئی غلط راہ نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی موجود نہیں تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہو گا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے بوجھ میں کمی آئے۔

جس طرح حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے طریقہ کو سنت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے اسی طرح لفظ سنت دوسرے صحابہ کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ بھی اکابر صحابہ کے عمل و فیصلے پر سنت کا لفظ بولتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے ایک عمل کے بارے میں فرمایا (حاشیہ:[[13]](#footnote-13)):

ان معاذا قد سن لكم سنة كذلك فافعلوا (ابو داؤد، باب كيف الاذان، صحیح)

ترجمہ:بے شک معاذؓ نے تمہارے لیے ایک سنت قائم کر دی ہے، اسی طرح تم اس پر عمل کرو۔

یہی بات حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے متعلق بھی آتی ہے۔

یعنی سنت دین کا وہ پسندیدہ معمول و مروج طریق ہے جو خواہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو یا آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو۔

حدیث کی مختلف اقسام کی مثالیں

### قولی حدیث کی مثال

بخاری کی پہلی حدیث ہے:

انما الاعمال بالنیة

عمل نیت کے موافق ہوتا ہے

### فعلی حدیث کی مثال

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھنا سکھایا اور پھر سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

صلوا کما رایتمونی اصلی (صحیح البخاری، کتاب الادب)

جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو

آپ ﷺ نے نماز پڑھ کر دکھائی ہے، یہ فعلی حدیث ہے۔

تقریر نبوی کی مثال

تقریر نبوی یعنی وہ امور جن کو آپ ﷺ نے برقرار رکھا۔ مثلا جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مدینہ میں بیع سلم کا رواج تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بیع آئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو اس بیع سے منع نہیں کیا، بلکہ فرمایا:

في كيل معلوم ووزن معلوم الى اجل معلوم (صحیح البخاری، کتاب السلم فی وزن معلوم)

 مقررہ وزن اور مقررہ مدت تک کے لیے (بیع سلم) ہونی چاہئے

رسول اللہ ﷺ نے بعض شرائط تو بڑھائیں، مگر سلم سے منع نہیں فرمایا۔ یہ تقریری حدیث ہے۔

اوصاف نبوی کی مثال

 رسول اللہ ﷺ کے ذاتی حالات اوصاف کہلاتے ہیں، مثلا: آپ ﷺ کے بالوں کا بیان کہ نہ بالکل سیدھے تھے، نہ بالکل گھونگھریالے، درمیانی کیفیت لیے ہوئے تھے۔ یا آپ ﷺ کے دندان مبارک کا بیان کہ سامنے کے اوپر کے دانتوں میں ذرا کشادگی تھی۔ یہ سب حدیثیں ہیں۔

سنت کے معنی

سنت کا لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے، احادیث میں بھی آیا ہے اور فقہ میں بھی، اور تینوں جگہ اس کے معنی الگ الگ ہیں۔

سنت کے معنی قرآن کریم میں

قرآن پاک میں ہے:

ولن تجد لسنة اللٰہ تبدیلا (الاحزاب 62)

 تم اللہ تعالی کی سنت کو بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے

 اللہ تعالی نے کائنات کی چیزوں میں کچھ صلاحیتیں رکھی ہیں، اور ان صلاحیتوں سے جو نتائج وجود میں آتے ہیں اس کا نام قرآن میں سنت اللہ ہے۔ جیسے آگ میں جلانے کی صلاحیت ہے تو وہ ہمیشہ جلائے گی، اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ البتہ کبھی معجزے کے طور پر اللہ تعالی اس صلاحیت کے خلاف بھی کردیتے ہیں جیسے ابراہیمؑ کو آگ نے جلایا نہیں بلکہ آگ کو انؑ کے لیے سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔

سنت کے معنی حدیث میں

حدیث میں ہے:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ (مشکوۃ المصابیح، حسن)

 میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوؤگے (وہ دو چیزیں) اللہ تعالی کی کتاب اور میری سنت (طریقہ) ہے

سنت کے معنی فقہ میں

فقہ میں سنت، احکام کا ایک درجہ ہے جو اس پسندیدہ عمل پر بولا جاتا ہے جو فرض یا واجب نہیں ہے۔

 پیچھے ذکر کیا گیا کہ حدیث اور سنت بعض اعتبار سے ایک ہیں اور بعض اعتبار سے مختلف۔ ذیل میں اس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

وہ روایات جو صرف حدیث ہیں سنت نہیں

تین قسم کی روایتیں صرف حدیث ہیں، سنت نہیں۔

1. پہلی قسم وہ حدیثیں ہیں جو منسوخ ہیں۔
2. دوسری قسم وہ حدیثیں ہیں جو رسول اللہ پاک ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔
3. تیسری قسم وہ حدیثیں ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے، کسی مصلحت سے یا کوئی مسئلہ سمجھانے کے لیے کوئی ارشاد فرمایا ہے یا کوئی عمل کیا ہے۔

ذیل میں ہر ایک کی وضاحت اور مثالیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی قسم

وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں، وہ سنت نہیں ہیں، مسلمانوں کو ان پر نہیں چلنا، بعد میں جو ناسخ احادیث آئی ہیں مسلمانوں کو ان پر چلنا ہے۔

پہلی مثال: حدیث شریف میں آتا ہے:

عن زيد بن ثابت قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الوضوء مما مست النار (صحیح مسلم، کتاب الحیض،)

ترجمہ: زید بن ثابت بتاتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس چیز کو آگ چھولے (یعنی آگ پر پکائی جائے) (اس کے بعد) وضو کرنا ہے

یہ صحیح حدیث ہے، مگر بعد میں یہ حکم نہیں رہا، بعد میں رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدینؓ اور سب صحابہؓ آگ پر پکی ہوئی چیز کھاتے تھے، اور وضو کیے بغیر نماز پڑھتے تھے، اس لیے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کی روایات حدیث تو ہے لیکن سنت نہیں اس لیے کہ ایک اور روایت میں آتا ہے:

عن جابر قال كان آخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما مست النار (سنن ابوداود،کتاب الطھارۃ،، صحیح)

ترجمہ: جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری فعل یہی تھا کہ آپ ﷺ آگ کی پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں کرتے تھے

دوسری مثال: حدیث شریف میں آتا ہے:

1.

عن زيد بن ارقم قال كنا نتكلم خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلاة يكلم الرجل منا صاحبه الى جنبه حتى نزلت وقوموا لله قانتين فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام (سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی نسخ الکلام فی الصلاۃ، صحیح)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں اپنے ساتھ والے سے بات کر لیتے تھے یہاں تک کہ (آیت) نازل ہوئی کہ اللہ کے سامنے فرمانبرداری سے کھڑے رہو اور ہمیں نماز میں بات کرنے سے روک دیا گیا

یعنی پہلے نماز میں آپس میں باتیں کرتے تھے لیکن بعد میں اس کو منع کر دیا گیا۔ اس دور کی حدیثیں کہ نمازی نماز میں باتیں کرتے تھے، حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں مگر یہ حدیثیں منسوخ ہوگئی ہیں، وہ سنت نہیں ہیں۔ سنت وہ حکم ہے جو بعد میں آیا ہے، اسی پر مسلمانوں کو چلنا ہے۔

دوسری قسم

وہ حدیثیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، وہ اگرچہ حدیثیں ہیں، مگر سنت نہیں۔

مثال

صحیح بخاری میں عبد اللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تہجد کی نماز ادا کی جس کے بعد رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

فصلى ثلاث عشرة ركعة ثم نام حتى نفخ وكان اذا نام نفخ ثم اتاه المؤذن فخرج فصلى ولم يتوضا

ترجمہ: پھر تیرہ رکعت (نماز) پڑھی اور سو گئے، یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے اور رسول اللہ کریم ﷺ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے ، پھر مؤذن آیا تو آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے اس کے بعد (فجر کی) نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کا سوجانا اور بیدار ہو کر وضو نہ کرنا اس فعل کی حدیث تو ہے لیکن یہ سنت نہیں۔ امت کے لیے سنت یہی ہے کہ سوجانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے نکاح کے باب میں چار کی قید نہیں تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں جمع ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فعل حدیث تو ہوئی، مگر سنت نہیں، امت کو جس راستہ پر چلنا ہے وہ یہ ہے کہ چار ہی بیویاں ایک ساتھ جمع ہوسکتی ہیں۔ امت کا اجماع ہے کہ امت کے لیے چار سے زیادہ بیویاں جمع کرنا جائز نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فعل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

سورۃ احزاب میں ایک لمبی آیت ہے:

یایہا الرسول اللہ انا احللنا لک ازواجک

اس میں آگے ہے:

خالصة لک من دون المؤمنین

ترجمہ: یہ حکم خاص آپ ﷺ کے لیے ہے، مؤمنین کے لیے نہیں ہے۔

امت کے لیے بیویوں کے بارے میں یہ حکم ہے:

فانکحوا ماطاب لکم من النسائ مثنٰی وثلٰث ورباع (النساء)

ترجمہ: پس نکاح کرو تم ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے

تو یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہوا۔

تیسری قسم

 رسول اللہ ﷺ نے کسی مصلحت سے کوئی بات فرمائی یا کوئی عمل کیا تو وہ حدیث ہے مگر سنت نہیں۔

پہلی مثال

عن عبد الله المزني عن النبي صلى الله عليه وسلم قال صلوا قبل صلاة المغرب قال في الثالثة لمن شاء كراهية ان يتخذها الناس سنة

(صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب الصلاۃ قبل المغرب)

ترجمہ: عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ان سے رسول اللہ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مغرب (کے فرض) سے پہلے (نفل) نماز پڑھو (یہ بات دو مرتبہ فرمائی)، پھر تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس نماز کو سنت بنالیں

آپ ﷺ کا یہ ارشاد یہ مسئلہ سمجھانے کے لیے ہے کہ عصر کے فرض پڑھنے کے بعد جو نفلوں کی ممانعت ہے وہ سورج ڈوبنے تک ہے، سورج چھپتے ہی کراہیت ختم ہوجاتی ہے، اب کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے کبھی نفلیں نہیں پڑھیں اس لیے یہ سنت نہیں۔

دوسری مثال

صحیح بخاری کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ ایک قوم کی کوڑی پر کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا۔ روایت یوں ہے:

عن حذيفة ان النبي صلى الله عليه وسلم انتهى الى سباطة قوم فبال قائما (صحیح بخاری، کتاب الوضوء)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ پاک ﷺ کسی قوم کی کوڑی پر تشریف لائے (پس) آپ ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر پیشاپ کیا۔

یہ حدیث ہے، مگر سنت نہیں، آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاپ فرماتے تھے، اور وہی سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاپ فرمانا بیان جواز کے لیے تھا اس لیے کہ کبھی انسان کو ایسی مجبوری پیش آتی ہیں کہ بیٹھ نہیں سکتا، مثلا کوڑی ہے، گندگی کی جگہ ہے، ایسی مجبوری میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

من حدثکم ان رسول اللہ صلی اﷲ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ماکان یبول الا قاعدا

(سنن الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، حسن)

ترجمہ: اگر تم سے کوئی بیان کرے کہ آپ ﷺ کی عادت کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی تھی تو ہرگز اس کی بات نہ ماننا، آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب فرمایا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کسی واقعہ کا حدیث میں آجانا اس کو سنت کا درجہ نہیں دے دیتا۔ اس کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ مثلًا: قبلہ رخ ہو کر رفع حاجت کرنا حدیث میں آتا ہے لیکن یہ سنت نہیں۔ بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا حدیث سے ثابت لیکن یہ سنت نہیں۔ یا مثلا رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ جوتا پہن کر نماز پڑھتے تھے۔

 کان یصلی فی نعلیہ (صحیح البخاری)

 جب کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بغیر جوتوں کے نماز پڑھتے تھے۔ لیکن امت کا عملی تواتر پہلی حدیث کے بجائے دوسری حدیث پر ہے۔ ساری امت کا اتفاق ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا آپ ﷺ کا نادر عمل تھا۔

کچھ چیزیں سنت ہیں مگر حدیث نہیں

اوپر ‏حدیث 1 میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کو بھی مضبوطی سے تھامنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے خلفائے راشدینؓ نے جو طریقے رائج کیے ہیں وہ اگرچہ حدیث نہیں ہیں، مگر مذکورہ حدیث کے مطابق سنت ہیں، اور حجت ہیں۔ مثلًا:

* حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ آپؓ کی سنت ہے۔
* حضرت عمرؓ کا نماز تراویح پر امت کو جمع کرنا آپؓ کی سنت ہے۔

وہ روایتیں جو حدیثیں بھی ہیں اور سنت بھی

وہ سب روایتیں ہیں جن پر امت نے ہمیشہ عمل کیا ہے ، وہ حدیث بھی ہیں اور سنت بھی، اور ایسی روایتیں بے شمار ہیں۔ مثلا وضو میں کلی کرنا، جوتے اتار کر نماز پڑھنا وغیرہ۔

اس تمام تفصیل سے جو اوپر پیش کی گئی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حدیث اور سنت ایک نہیں، دونوں میں فرق ہے۔ یہ نہ بالکل ایک ہیں نہ بالکل جدا جدا بلکہ اس میں تفصیل ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

1. : صحیح البخاری، کتاب تفسیر القران [↑](#footnote-ref-1)
2. : گو کہ یہ معروف فقہی تقلید تو نہیں لیکن عملا تقلید ہی ہے۔ [↑](#footnote-ref-2)
3. : ہر بچہ اپنی نماز اپنے والدین کو دیکھ کر پڑھتا اور سیکھتا ھے ،بخاری مسلم، ترمذی ابن ماجہ پڑھ کر نہیں پڑھتا – اسی طرح ہر بیٹا روزہ اپنے والدین کو دیکھ کر رکھتا اور کھولتا ہے ،صحاحِ ستہ دیکھ کر نہیں ، یہ ایک فطری عمل ہے اسی فطری ذریعے سے قرآن ہم تک پہنچا ہے اوراسی سے عبادات وہ عمل جو ہر دن میں کئی بار اور نسل در نسل ہوتے چلے آ رہےہیں ان کا عملی تسلسل ہی ہے جس سے وہ ثابت ہوتے ہیں ،کسی تحریری ثبوت کے وہ محتاج نہیں ہوتے۔ [↑](#footnote-ref-3)
4. : اصطلاحا ان کو منصوص احکام کہا جاتا ہے۔ [↑](#footnote-ref-4)
5. : ان کو غیرمنصوص احکام کہا جاتا ہے۔ [↑](#footnote-ref-5)
6. : اصطلاحا اس کو ناسخ حقیقی کہتے ہیں۔ [↑](#footnote-ref-6)
7. : اس کو اصطلاح میں معلوم التقدیم و التاخیر کہتے ہیں۔ [↑](#footnote-ref-7)
8. : اس اصطلاحا کو غیرمعلوم التقدیم والتاخیر کہتے ہیں۔ [↑](#footnote-ref-8)
9. : ایسے مسائل کو متفق علیہ مسائل کہا جاتا ہے۔ [↑](#footnote-ref-9)
10. : اصطلاح میں اس کو منصوص غیرمتعارض محتمل وجوہ مختلفہ کہا جاتا ہے۔ [↑](#footnote-ref-10)
11. : اس کو اصطلاح میں مقدمۃ الواجب واجب کہتے ہیں۔ [↑](#footnote-ref-11)
12. : کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ کرنا خود ایک بہت بڑا کام ہے جو ہر کس و ناکس کے بس کی چیز نہیں۔ عام طور پر علمائے کرام بھی کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ تقلیدًا ہے نہ کہ تحقیقًا۔ علم کی دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ پچھلوں کی ثابت شدہ تحقیق کو مان کر چلنا پڑتا ہے۔ ورنہ علوم کی ترقی رک جائے گی۔ [↑](#footnote-ref-12)
13. : پہلے نماز میں آپس میں باتیں کرسکتے تھے (دیکھیے ‏حدیث 40)۔ پہلے طریقہ یہ تھا کہ مسبوق (دیر سے نماز میں شامل ہونے والا) آکر نمازی سے پوچھتا کہ کتنی رکعتیں ہوگئیں؟ وہ بتا دیتا۔ چنانچہ مسبوق تکبیر تحریمہ کہہ کر چھٹی ہوئی رکعتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ دیر سے آئے، ان کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ رسول اللہ ﷺ الگ نماز پڑھ رہے ہوں اور وہ اپنی چھٹی ہوئی نماز پڑھیں۔ چنانچہ وہ نیت باندھ کر نماز میں شامل ہو گئے، جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو وہ اپنی باقی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا۔ چنانچہ اس دن سے مسبوق کی نماز کا طریقہ بدل گیا۔ [↑](#footnote-ref-13)